مئی، جون ۲۰۱۷ء May, June, 2017

تاج الشریعہ سادات کرام کی نظر میں

تین طلاق کا دینی مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ

- قبولیت حج اور سفر مدینہ منورہ
- قوم میمن کی دینی خدمات پر ایک نظر
- شراب نوشی اور منشیات کے نقصانات
- اتہامات تنزیل الصدیقی پر ایک نظر
- متن قرآن اور ترجمہ کنز الایمان کا عروضی مطالعہ

نواب صدیق حسن بھوپالی
اور دوران خانہ کی بوالعجبیاں

”کسی بھی جماعت مین تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں کچھ عقیدۃً، کچھ ضرورۃً، کچھ حقیقتاً۔ ٹھیک اسی طرح سے اہلسنت میں بھی تین طرح کے لوگ ہیں اور آہستہ آہستہ عوام بھی جاننے لگی ہے ان تینوں اقسام کے لوگوں کو پہچاننے لگی ہے۔ جو ضرورۃً والے ہیں وہ انتشار بر پا کئے ہوئے ہیں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ حقیقتاً اور عقیدۃً والا طبقہ اپنی ہمت قوت اور صلاحیت کے اعتبار سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ضرورۃً والا طبقہ ہر دور میں رہا ہے اور رہے گا، اس کی نسلیں اس قدر منظم ہیں اور ان کے پاس اسباب اتنے ہیں کہ انتشار پھیلانے کی پوری وراثت سنبھال رکھی ہے۔ لیکن یہ خاصہ ہے جماعت اہلسنت کا کہ وہ ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنی حقانیت کی بنیاد پر روز اول سے ہی قائم ہے تا قیام قیامت قائم رہے گی۔“

غازئ ملت مولانا غلام رسول بلیاوی سے

سے خصوصی گفتگو

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر امجد رضا امجد

مئی، جون ۲۰۱۷ء شعبان، رمضان ۱۴۳۸ھ

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بفیضِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ

محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ

محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ

الشاہ مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری مدظلہ العالی

بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ

ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دو ماہی "الرضا" انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد

سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9835423434 / 8521889323

ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. Ahmad Publications Pvt. Ltd.
Hira Complex, Qutubuddin Lane, Near Daryapur Masjid,
Sabzibagh, Patna - 4, E-mail: alraza1437@gmail.com,
Contact / Telegram / Whtsapp: 8521889323

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کرکے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

□□□

منظومات

اے شہ سوار طیبہ میں تیری رکاب ہوں

حسان الہند امام احمد رضا قادری

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں
ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں

در نجف ہوں گوہر پاک خوشاب ہوں
یعنی تراب رہ گزر بو تراب ہوں

گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں
دل ہوں تو برق کا دل پر اضطراب ہوں

خونیں جگر ہوں طائر بے آشیاں شہا
رنگ پریدۂ رخ گل کا جواب ہوں

بے اصل و بے ثبات ہوں بحر کرم مدد
پروردۂ کنار سراب و حباب ہوں

عبرت فزا ہے شرم گنہ سے مرا سکوت
گویا لب خموش لحد کا جواب ہوں

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں

مولا دہائی نظروں سے گر کر جلا غلام
اشک مژہ رسیدہ چشم کباب ہوں

مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں

صدقے ہوں اس پہ نار سے دیگا جو مخلصی
بلبل نہیں کہ آتش گل پر کباب ہوں

قالب تہی کیئے ہمہ آغوش ہے ہلال
اے شہ سوار طیبہ میں تیری رکاب ہوں

کیا کیا ہیں تجھ سے ناز ترے قصر کو کہ میں
کعبہ کی جان عرش بریں کا جواب ہوں

شاہا تجھے سقر مرے اشکوں سے تانہ میں
آب عبث چکیدہ چشم کباب ہوں

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ہوں

حسرت میں خاک بوسئ طیبہ کی اے رضا
ٹپکا وہ چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

اداریہ

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

تین طلاق کا مسئلہ اور حکومت کا منفی رویہ

اگر حکومت عورتوں کے حقوق کے مسئلہ میں واقعی مخلص ہے تو دار القضا کے فیصلہ کے نفاذ کو یقینی بنائے!!

ہندوستانی مسلمان ابھی جن حالات سے دوچار ہیں، ان کی سنگینی کا احساس ان افراد کو بھی ہے جن کی حس بہت کمزور ہے۔ مودی حکومت اپنی تین سالہ دور ناکامی پہ پردہ ڈالنے کے لئے جس طرح پے در پے سیاسی قلابازیاں کر رہی ہے اس سے سیاسی مبصرین اور تجزیہ نگار بھی حیرت زدہ ہیں۔ ہندوستان کی ترقی وخوشحالی اور ہندوستانیوں کے مسائل پہ گفتگو کے بجائے خاص مسلمانوں کے پرسنل لاپہ اپنی پوری قوت جھونک دینا کسی خفیہ سازش ہی کا نتیجہ ہے ورنہ ع

تم اتنے مہرباں ہوتے تو دل کا خون کیوں ہوتا

مودی حکومت نے طلاق کے مسئلہ کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے مسئلہ طلاق ملک کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہو۔ ملک سلگ رہا ہے، گاؤ رکشا کے نام پر جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں، مسلمانوں پہ خوف ودہشت کا ماحول مسلط ہے، دلتوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، عورتوں کی عصمتیں لوٹی جا رہی ہیں، کسان خودکشی کرنے پر مجبور ہے، نوجوان طبقہ نوکری کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے اور مہنگائی آسمان چھو رہی ہے مگر مودی حکومت تین طلاق کو وظیفہ بنائے اپنے گلے پھاڑ رہی ہے۔ رونا اس بات کا ہے کہ سماج کو حقیقت کا آئینہ دکھانے کی دعویدار میڈیا حکومت کے غلط فیصلے اور اس کی تین سالہ دور ناکامی کو بھی اس طرح کارنامہ بنا کر پیش کر رہا ہے جیسے بازاری اشتہار والے، سڑے ہوئے مال کو بھی خوش ذائقہ، مقوی اور حسن وصحت کا ضامن بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ویسے بھی میڈیا کب مسلمانوں کا ہمدرد رہا ہے جو آج اس سے انصاف کی توقع ہو، مگر یہ اپنی سطح سے اتنا گر جائے گا اس کا تصور نہیں تھا۔ پہلے میڈیا کسی واقعہ یا حادثہ کی خبر سناتا اور دکھاتا تھا، اب یہ چیزیں گڑھی جاتی ہیں اور اس کو اپنے اعتبار سے پیش کیا جاتا ہے اور جہاں صورت حال یہ ہو وہاں کسی سچائی کا تصور سراب کے سوا کے کچھ نہیں۔ میڈیا کا اصل کردار حکومت اور عوام کے درمیان منصفانہ تجزیہ ورابطہ کا ہے مگر آج میڈیا اپنی سطح سے نیچے آکر حکومت کا وکیل بن گیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ملک کا تقریباً ہر چینل مودی ویوگی کے اشارۂ ابرو پہ اسی طرح تھرکتا ہے جیسے داشتائیں چند سکوں کے لئے گراہکوں کے اشارے پہ تھرکتی ہیں۔

طلاق وحجاب کو مسلم عورتوں پہ ظلم بتانے والے اگر اپنی آنکھوں سے غلامانہ ذہنیت کی پٹی ہٹا کر دیکھیں تو وہ اس تاریخی سچائی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ پوری دنیا میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے عورتوں کی پامال شدہ حرمت کو بحال کیا، اس کو ذلت کے بجائے عزت کے قابل بتایا، اس کی پیدائش کو نحوست کے بجائے رحمت سے تعبیر کیا، اس کی صحیح تعلیم وتربیت اور ادائیگی حقوق پر جنت کی بشارت دی، پھر بیٹی بہن بیوی ماں دادی نانی کے حقوق بتا کر ذمہ داروں کو حق ادا کرنے کا پابند کیا، اسے باپ ماں بھائی شوہر کے ترکہ کا وارث قرار دیا اور کب کس میت کے مال سے اسے کتنے حصے ملیں گے اس کی وضاحت کی، شادی بعد اس کے سارے اخراجات کا کفیل شوہر کو قرار دے کر اسے کمانے کی ذمہ داری سے سبک دوش کر دیا۔ کیا عورتوں کے ساتھ انصاف کی ایسی مثال اسلام کے علاوہ کہیں اور مل سکتی ہے؟

عورتوں کوانصاف دلانے اور مساوات کے نام پر اس کی عزت وحرمت کا سودا کرنے والے ایک بار سنجیدگی سے اپنے فرسودہ نظام پر بھی منصفانہ نظر ڈالیں کہ ان کے یہاں تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ سے زیادہ خراب عورت کو بتایا گیا (ستیارتھ پرکاش، ص: ۱۱۳) شوہر کے مرجانے کے بعد عورت کی زندگی کٹی پتنگ کی طرح ہوجاتی ہے اب اسے جس سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اسلام میں اس کی گنجائش تو ہے کہ وہ دوسری شادی کے ذریعہ اپنی زندگی پھر معمول پہ لاسکتی ہے مگر کیا ہندودھرم میں اس کی اجازت ہے؟ ایسی عورتوں کے لئے ان کے یہاں کہا گیا کہ:

عورت کو، جب اُس کا شوہر مرجائے، بیاہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اس کو دو حال میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا، یا زندگی بھر بیوہ رہے یا جل کر ہلاک ہوجائے اور دونوں صورتوں میں سے یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ وہ مدت العمر عذاب میں رہے گی، (۶۶۔ منوجی، مہاراج، منوسمرتی، ادھیائے ۳، شلوک ۶۱، بھائی تارا چند پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص: ۴۴)

حالات کے تھپیروں سے مجبور ہوکر کسی نے اجازت بھی دی تو یہ قید لگادی کہ:

رشی دیانند کے مطابق بیوہ سے کوئی رنڈوا ہی شادی کرے، کوئی کنوارہ بیوہ سے شادی نہ کرے، اگر کوئی اس عمل کی خلاف ورزی کرے گا تو سمجھو کہ اُس نے احکام دین کی خلاف ورزی کی۔ بیوہ عورت سے کنوارے مرد اور رنڈوے مرد سے کنواری عورت کی مناکحت جہاں بعید از انصاف ہے وہاں (آدھرم) احکام دین کے بھی خلاف ہے۔ ۶۰_۶۰۔ رگ وید، منڈل: ۱۰، سوکت ۸۶، رچا ۱۰، بحوالہ تمدن ہند، ص: ۲۴۵

جائیداد کے تعلق سے بھی اس دھرم میں عورتوں پر جو ظلم ہے وہ قابل افسوس ہے وہ یا تو سرے سے جائیداد سے محروم ہے یا پھر کسی صورت میں ہے بھی تو بھکاری کے دامن میں بھیک کے مترادف:

ہندوؤں میں مختلف مقامات پر مختلف خواتین اور ذاتوں کے لحاظ سے تقسیم جائیداد کے مختلف طریقے اور اصول ہیں، جن میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ عورت کو جائیداد سے یا تو سرے سے محروم کیا گیا یا پھر مرد سے کم تر حصہ دیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو ہندو معاشرے میں ہمیشہ سے کم تر درجہ دیا گیا ہے، اس کو ہر صورت میں محکوم رکھنا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ ۶۸_۶۸۔ دیانند سرسوتی، ستیارتھ پرکاش، مترجم چھوپتی ایم اے، مہاشہ کرشتن، منتری آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب، ۱۹۴۶، ص: ۱۱۶

اولاد نہ ہونے کی صورت میں اولاد کے حصول کے لئے دوسرے مرد سے تعلق قائم کرنے کو کون سماج اچھا سمجھے گا؟ مگر یہ بھیانک تصور بھی اسی دھرم میں ملے گا چنانچہ رگ وید میں ہے:

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تو اپنی بیوی کو ہدایت کرے کہ اے سہاگ کی خواہش مند عورت! تُو میرے سوا کسی اور خاوند کی خواہش کر (کیونکہ اب مجھ سے اولاد کی پیدائش نہیں ہوسکے گی) ایسی حالت میں عورت دوسرے مرد سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے۔ مگر اپنے عالی حوصلہ شادی کئے ہوئے خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ عہد نامہ جدید، باب ۷، آیات ۳۲۔۳۴

اہل انصاف بتائیں، اگر ان تمام مذکورہ قانون پہ ان کے یہاں عمل ہورہا ہے تو سماجی اور عقلی اعتبار سے یہ انسانیت کے خلاف ہے یا نہیں؟ اور اگر عمل نہیں ہورہا ہے تو ہندودھرم کے اعتبار سے یہ لوگ دھارمک مجرم ہیں یا نہیں؟ یعنی کسی بھی اعتبار سے اس دھرم کے ماننے والوں کو جرم سے چھٹکارا ہے؟ کیا اسلامی قانون پہ ناک بھوں چڑھانے والے یہ میڈیائی مہربان، ایسے قانون اور ایسے نظریات

کے خلاف بھی کچھ بولنے لکھنے اور دیکھنے دکھانے کی ہمت جٹا پائیں گے؟ جہاں واقعی ظلم ہے اس کے حق میں اپنی زبان بند رکھنا اور جہاں انصاف ہی انصاف ہے اس کے خلاف واویلا مچانا انسانیت ہے؟

مسئلہ طلاق اور اسلامی احکامات:

اسلام میں طلاق، حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ عمل ہے، مگر ضرورت کے تحت یہ عمل زن وشو دونوں کے لئے رحمت بھی ہے اس لئے سرے سے اسے منفی نگاہ سے دیکھنا صحیح نہیں۔ اسلام میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ میاں بیوی دونوں کے حقوق متعین کر کے انہیں اس کا پابند کیا گیا اور وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ یعنی ''اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا مردوں کا ان پر ہے شرع کے موافق'' فرما کر حقوق کے معاملہ میں دونوں کو برابر کردیا، اس فرمان پر عمل کر کے یقیناً زندگی کامیاب، پرسکون اور قابل رشک بنائی جاسکتی ہے اور بنائی جاتی ہے۔ لیکن اگر دونوں کے درمیان مطلوبہ محبت، ذہنی ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے لئے کشش باقی نہ رہے بلکہ اس کے برعکس گھر کا ماحول سکون کے بجائے انتشار، محبت کے بجائے منافرت اور وصال کے بجائے جدال میں بدل جائے تو زندگی عذاب مسلسل بن جاتی ہے، اور یہیں پہ اسلامی نظامِ طلاق، خلع اور فسخ سہارا بن کے کھڑا ہوتا ہے، جسے انسانیت پسند ذہن تحسین کی نگاہوں سے دیکھے گا تخریب وتنقید کی نگاہ سے نہیں۔

میاں بیوی دونوں انسان ہی ہیں، خطا کسی سے بھی ہوسکتی ہے اور نفس کے ہاتھوں کوئی بھی سرکش ہوسکتا ہے۔ اگر یہ کمی بیوی میں ہے اور اس حد تک ہے کہ زندگی وبال جان ہوگئی ہے، تو شوہر کو اسلامی طریقے کے مطابق طلاق دینے کا اختیار ہے۔ اور اگر یہ کمی شوہر میں ہے تو اسے مصالحت کی کوششوں کے بعد شوہر سے خلع کے ذریعہ الگ ہونے کا اختیار ہے، اور اگر شوہر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو یا دوسرے ایسے اسباب ہوں کہ اب اس شوہر کے نکاح میں رہنا اس کے لئے ناممکن یا دشوار گزار ہوجائے تو عورت قاضی کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے اور نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کرسکتی ہے۔ بعض مخصوص حالات میں شوہر کے اختیار طلاق کو عورت کی طرف منتقل کرنے بھی صورت مذہب اسلام میں محفوظ ہے جسے ''تفویض طلاق'' کہا جاتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں پر نگاہ دوڑائیں اور انصاف سے بتائیں کہ اسلام کے نظام طلاق میں کہیں کسی پر کوئی ظلم وزیادتی کا شائبہ بھی ہے؟ اسلامی قانون کو ظلم سے تعبیر کرنے والے بتائیں، کہ جن عورتوں کا شوہر انہیں زدوکوب کرتا ہو، نفقہ نہیں دیتا ہو، ادائیگی نفقہ سے عاجز ہو، حق زوجیت ادا نہیں کرتا ہو، نامرد ہو،، کسی موذی مرض میں مبتلا ہو، مجنون ہو، غائب غیر مفقود الخبر ہو یا مفقود الخبر ہو، ان عورتوں کو ان حالات سے نجات دلانے اور چین وسکون کی زندگی عطا کرنے کے لئے ان کے پاس کون سا قانون ہے؟ اس اندھیر میں امید کی کرن صرف اسلام دکھاتا ہے اور نہ صرف دکھاتا ہے بلکہ دار القضا کے ذریعہ ایسی عورتوں کو راحت فراہم کرتا ہے، پھر بھی یہ راگ الاپنا کہ اسلام میں عورتوں پر ظلم ہے، اسلام کے خلاف سازش، حقائق کی پردہ پوشی یا اپنی کم علمی کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس لئے زندگی کے تمام شعبوں کو اس نے ایک سسٹم اور قانون سے باندھے رکھا ہے، عبادت ریاضت، تجارت نکاح طلاق سب کے لئے ایک ضابطہ ہے اور ایسا ضابطہ ہے جو عقل ودیانت ہر اعتبار سے ہر فرد کے لئے مفید اور قابل قبول ہے، خاص طلاق کے حوالہ سے بھی ایسا ضابطہ پیش کیا گیا ہے جس میں کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ ایسی عورت جس میں کوئی ناقابل برداشت کمی ہو جس سے گھر کا نظام درہم برہم اور معاملہ رشتہ کے ٹوٹنے کا ہو تو اسے سیدھے طلاق دینے کے بجائے شوہروں کے لئے شریعت نے سلسلہ وار احکامات نافذ کئے، پہلا مرحلہ سمجھانا، خواہ خود سمجھانا ہو یا دونوں طرف کے فریق کو طلب کر کے، دوسرا مرحلہ بستر الگ کرلینا، تا کہ اسے احساس ہو کہ ابھی بات صرف بستر الگ ہونے کی ہے اگر زندگی سے الگ کردینے کی نوبت آگئی تو کیا ہوگا، تیسرا مرحلہ ہلکی سی ضرب ہے، جس سے اسے کوئی نقصان تو نہ ہو مگر خوف پیدا ہو کہ اب محبت کا معاملہ ہماری کوتاہی کے باعث یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

وَالّٰتِی تَخَافُونَ نُشُوزَھُنَّ اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو، فَعِظُوھُنَّ تو انہیں سمجھاؤ، وَاھجُرُوھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ اور ان سے الگ سوؤ، وَاضْرِبُوھُنَّ ورانہیں مارو۔ان تینوں مراحل میں عورت کو اگر سمجھ آجائے، اور وہ اپنے کیے پہ نادم ہو اور معافی چاہے تو ارشاد قرآن ہے، فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَیھِنَّ سَبِیلًا پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو اُن پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو ،یعنی انہیں معاف کرو اور ان پر کوئی زیادتی نہ کرو۔اندازہ لگائیں کہ طلاق سے روکنے اور گھر کو تباہی سے بچانے کے لئے شریعت نے کیسے کیسے احکامات نافذ فرمائے، عورتوں کا اتنا خیال اور ازدواجی زندگی کے تحفظ کا اتنا جامع تصور کہیں اور مل سکتا ہے؟

اور اگر اس تنبیہ کے باوجود عورت اپنے کئے پہ نادم نہ ہو تو شریعت نے اسے حالتِ طہر (عورت کی پاکی کی حالت) میں ایک طلاق دینے کی بات کی۔پاکی کی حالت میں طلاق دینے کی حکمت بھی قابل غور ہے۔ناپاکی کے جن ایام میں مرد اپنی عورتوں سے قربت نہیں کرسکتا، حکما و اطبا کے بقول وہ ایام عورتوں کے لئے بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں، دماغ ٹھکانے نہیں رہتا، مزاج میں چڑچڑاپن آجاتا ہے اور اچھی بات بھی کانٹے کی طرح چبھتی ہے۔اس لئے ناپاکی میں طلاق دینے کے بجائے پاکی کی شرط لگائی گئی کہ اس وقت ناپاکی والی الجھنیں نہیں رہتیں، میاں بیوی میں آپسی تعلقات کی کوئی ممانعت نہیں ہوتی، ممکن ہے ان ایام میں غصہ ختم ہوجائے، یا قربت کے سبب پرانی محبت پھر لوٹ آئے اور وہ طلاق کے لئے رکاوٹ بن جائے۔اگر اس کے بعد بھی حالات میں سدھار نہ ہو تو طہر میں ایک طلاق دو، مگر اس طلاق کے بعد بھی اسے گھر سے مت نکالو بلکہ اَسْکِنُوھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ عورتوں کو اپنی طاقت بھر وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو، وَلَا تُضَآرُّوھُنَّ لِتُضَیِّقُوا عَلَیھِنَّ اور انہیں ضرر نہ دو کہ ان پر تنگی کرو، وَاِنْ کُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوا عَلَیھِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَھُنَّ اور اگر (وہ مطلقہ) حمل والیاں ہوں تو انہیں نان ونفقہ دو یہاں تک کہ ان کے بچّہ پیدا ہو، فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوھُنَّ اُجُورَھُنَّ پھر اگر وہ تمہارے لئے بچّہ کو دودھ پلائیں تو انہیں اس کی اجرت دو، وَاْتَمِرُوا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوفٍ اور آپس میں معقول طور پر مشورہ کرو۔

اہل انصاف دیکھیں کہ طلاق سے پہلے اور طلاق کے بعد دونوں مرحلے میں عورت کی حرمت اس کی عزت اور اس کی ضرورت کا کس جس درجہ خیال اسلام نے رکھا ہے، کیا اس کے بعد بھی یہ کہنا درست ہے کہ اسلام میں عورتوں پہ ظلم ہے؟

اب رہی بات تین طلاق یکبارگی دینے کی، تو اسے شریعت نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے اور اسی لئے دیا ہے کہ اس سے رشتہ باقی رکھنے کا وہ معاملہ یک سر ختم ہوجاتا ہے جو شریعت کو مطلوب ہے، مگر ناپسندیدگی کے باوجود اس کے نافذ ہونے میں کوئی شک نہیں۔تلوار چلے گی تو اپنا اثر ضرور دکھائے گی اور گولی چلے گی تو اس کے اثرات ضرور سامنے آئیں گے۔ہاں ملک کے تحفظ، اور آئین کی پاسداری کے لئے تلوار اور گولی چلے تو آدمی انعام کا مستحق ہوگا اور آئین کے خلاف چلے تو سزا کا مستحق۔ملک کی حفاظت کے لئے باڈر پہ جان لینے والے کو تمغہ دینا اور ناحق کسی کی جان لے لینے والے کو پھانسی اور عمر قید کی سزا دینا آخر اس کے سوا کیا ہے کہ ایک کا عمل آئین کے دائرہ میں ہے اور دوسرے کا آئین کے خلاف، حالانکہ جان دونوں کے عمل سے گئی ہے اور عمل دونوں نے ایک ہی کیا ہے۔طلاق بھی، اسلامی آئین کے مطابق دی جائے یا آئین کے خلاف، واقع ضرور ہوگی ،فرق صرف یہ ہے کہ آئین کے مطابق دینے والا مجرم نہیں ہوگا اور آئین کی خلاف ورزی کرنے والا مجرم۔مجرم کو اس کے جرم سزا ملنی چاہئے ،حکومت اگر ایسے مجرموں کے لئے کوئی مناسب سزا تجویز کرے تو ہمیں اس سے کوئی اختلاف نہیں کہ یہ شریعت کے ناپسندیدہ عمل کی روک تھام کے لئے ہے، مگر سرے سے تین طلاق کو کالعدم قرار دینا یا اسے ایک ماننا یا اس کے خلاف واویلا مچا کر اسلام اور اسلامی آئین کو بدنام کرنا اسلام اور مسلمان دونوں پر ظلم ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا اور اس کے خلاف آئینی دائرہ میں ہمارا احتجاج بہر حال جاری رہے گا۔

اسلامی قانون کے مطابق تین طلاق تین ہی واقع ہوتی ہے یہ شرعی اعتبار سے حق ہونے کے ساتھ عقلی اعتبار سے بھی درست ہے، قرآن واحادیث اور فقہا کے ارشادات میں اس کی تفصیل موجود ہے۔جس کے تفصیلی اعادہ کی یہاں گنجائش نہیں صرف ماخذ وحوالجات کے چند اشارے ملاحظہ کریں اور تفصیلات کے لئے ان ماخذات سے رجوع کریں:

- فان طلقها فلا تحل له من بعد حتٰی تنکح زوجا غیرہ۔ (قرآن کریم آیت ۲۲۸ بقرہ)
- ان رجلا طلق امرأته ثلاثا الخ (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱)
- عن الرجل یتزوج المرأة فیطلقها ثلاثا الخ (مسلم ج ۱ ص ۴۱۳)
- عن علی فیمن طلق امرأته ثلاثا قیل ان یدخل بها قال لا تحل له حتٰی تنکح زوجا غیرہ۔ (سنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۴)
شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال شافعی و مالک و ابو حنیفة و احمد و جماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)
- باب من یطلق امرأته ثلاثا معا ان طلاقه قد لزمه و حرمها علیه فهذا کله قول ابی حنیفة و یوسف و محمد (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱۸
- صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں اس مسئلہ پر اتفاق ہو چکا کہ تین طلاقیں تین ہی ہیں اور صحابہ کرام قولی و فعلی دونوں قسم کا اجماع اس پر ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں اب اس مسئلے پر اختلاف کرنا مردود ہے (ج ۹ ص ۲۹۳)
- اسی طرح علامہ آلوسی نے بھی ''روح المعانی'' میں لکھا کہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق بغیر نص کے تو ہو نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کا بھی اس پر اتفاق ہے۔ (ج ۲ ص ۱۱۸)

اب اخیر میں فقیہ اعظم ہندوستان حضور تاج الشریعہ علامہ شاہ اختر رضا خاں قادری ازہری دام ظلہ کا فرمان بھی دیکھ لیں آپ نے فرمایا

> فی الواقع ائمہ اربعہ و جماہیر اہل سنت کا سلفا خلفا اس امر پر اجماع ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں دینے کی صورت میں بیوی پر تین ہی واقع ہوں گی اس امر میں کسی معتد بہ کا اختلاف نہیں۔۔۔۔۔۔۔ ہمارا مدعا بفضلہ تعالیٰ آیت کریمہ سے بھی ثابت ہے قال تعالیٰ ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه الآیہ یعنی جو اللہ کی حدوں سے گزرے تو اس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں یکبارگی دینا معصیت و نافرمانی اور اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور یہ اگرچہ اقدام حرام ہے مگر تینوں طلاقیں یکبارگی دے گا تو واقع ہو جائیں گی اس لئے کہ اگر ایک طلاق پڑے تو نہ معصیت ہوگی اور نہ ہی مطلق کو ندامت لاحق ہوگی''

اسلام مخالف طبقہ کا یہ رونا بھی ایک ڈھکوسلا ہی ہے کہ اکٹھے تین طلاق دینے سے عورت بے سہارا ہو جاتی ہے۔ کیا شوہر کے مرنے پر عورت بے سہارا نہیں ہو سکتی؟ تین طہر میں الگ الگ تین طلاقیں دینے سے عورت بے سہارا نہیں ہو سکتی؟ بے قصور مسلمانوں کو سلاخوں کے پیچھے رکھنے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ فسادات میں شہید کرا دینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ مسلمانوں کے روزگار چھین لینے سے عورت بے سہارا نہیں ہوتی؟ طلاق کے ذریعہ عورت کو آنے والی پریشانیوں کا حل تو شریعت نے رکھا ہے مگر حکومت جن عورتوں کو بے سہارا کر دیتی ہے اس کی شکایت کس سے کی جائے؟ کون اس کی فریاد سنے؟ حکومت عورتوں کے انصاف کے نام پہ گھڑیال کے آنسو بہانا چھوڑے، اور اگر وہ اس طبقہ کی پریشانیوں کا ازالہ سچے دل سے کرنا ہی چاہتی ہے تو ان کے باپ بھائی شوہر کے جان مال عزت آبرو اور دین و شریعت کو تحفظ دے دے کہ اس کے بغیر نہ اسے انصاف مل سکتا ہے اور نہ اسے سکون کی گھڑیاں میسر آسکتی ہیں۔

دنیا میں طلاق کا رجحان اور مسلمان:

یہ حقیقت بھی چونکا دینے والی ہے کہ جس قوم کو طلاق کے نام پہ بدنام کیا جا رہا ہے اس کے یہاں طلاق کا رجحان سب سے کم ہے۔ عالمی تناظر میں

دیکھیں تو ۱۹۹۰ء میں امریکہ میں ۲۱ لاکھ باسٹھ ہزار (۲۱۶۲۰۰۰) شادیاں ہوئیں جبکہ گیارہ لاکھ سترہ ہزار (۱۱۱۷۰۰۰) طلاقیں ہوئیں۔ڈنمارک میں تیس ہزار آٹھ سو چورانوے (۳۰۸۹۴) شادیاں ہوئیں جبکہ پندرہ ہزار ایک سو باون (۱۵۱۵۲) طلاقیں، سوئٹزرلینڈ میں ۴۶۶۰۳ شادیاں اور ۱۳۱۳ طلاقیں ہوئی۔ برطانیہ میں طلاق کے بڑھتے رجحان کے خاتمہ کے لئے ۱۹۹۷ کے الکشن میں ووٹر کو لبھانے کے لئے جہاں اور مراعات کا اعلان کیا گیا وہاں یہ بھی تھا کہ ’’جو شادی شدہ جوڑا اپنی رفاقت کے دس سال مکمل کرے گا اُسے ٹیکس میں چھوٹ دی جائے گی۔‘‘ دنیا کو انصاف کے لئے بطور آئیڈیل پیش کرنے والی قوم کا حال دیکھنے کے اب اپنے ملک میں بھی طلاق کا آکڑا دیکھیں تو چونکا دینے والی حقیقت سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے، آرٹی آئی نے ملک کے چار مسلم اکثریتی علاقہ ’’کیرل تلنگانہ آندھرا پردیش اور مہاراشٹر کے کنور، ملمپورم، ارنا کولم، پلکلر، سکندرآباد، حیدرآباد، گنظور، ناسک، میں سن ۲۰۱۱ سے ۲۰۱۵ تک کے طلاق کا سروے کرایا تو رپورٹ کے مطابق:

مسلمانوں میں ۱۳۰۷ ہندوؤں میں ۱۶۵۰۵
عیسائیوں میں ۴۸۲۷ سکھوں میں:۸

طلاق کے معاملے سامنے آئے۔ آرٹی آئی کے یہ آکڑے ان علاقوں کے ہیں جہاں ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے یہاں ۵؍سالوں میں طلاق ایک ہزار تین سو سات ہے (۱۳۰۷) تو ہندوؤں کے یہاں سولہ ہزار پانچ سو پانچ (۱۶۵۰۵) اب اندازہ لگایا جائے کہ طلاق کی شرح کن کے یہاں کم ہے اور کن کے یہاں زیادہ۔اب جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں طلاق کا حال کیا ہوگا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔مگر اس کے باوجود ہندو میڈیا اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے پر کمربستہ ہے اور مسلسل اس کوشش میں ہے کہ مسلمانوں کو بھی ان کے اسلامی قوانین سے بدظن کرادے۔جو اطلاعات موصول ہورہی ہیں اس سے یہ لگ رہا ہے کہ ایک حد تک وہ اس میں کامیاب ہو بھی رہے ہیں کیوں کہ بعض مسلم حلقہ میں طلاق کے حوالہ سے وہ بے چینی پائی جانے لگی ہے جو میڈیا کو مطلوب ہے۔اب تو یہ ان مسلمانوں کو سوچنا ہے کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے اس قانون کو قبول کریں گے جس کا مآل جنت ہے یا انسان کے بنائے ہوئے اس قانون کو، جو بغاوت نفرت اور شرارت کی اپج ہے اور جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

عورتوں کے مسائل میں دارالقضا کا کردار:

طلاق کے تناظر میں اگر ہندوستان میں قائم دارالقضا کا کردار دیکھیں تو یہ اقرار کئے بنا نہیں رہ سکیں گے کہ اس اسلامی عدالت (اسلامی پنچائت گھر) نے زوجین کے مابین پائے جانے والے نفاق وشقاق اور رشتہ کے درمیان بے اعتباری کی کھنچ جانے والی لکیر کو ختم کرنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے، اگر ہندوستان میں دارالقضا کا نظام نہیں ہوتا، تو لاکھوں عورتیں واقعی عذاب کا شکار ہوتیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔مرکزی دارالقضا ادارہ شرعیہ میں آئے استغاثہ کے مطابق طلاق ۲؍فیصد ہے، مصالحت ۱۰؍فیصد، خلع ۲۰؍فیصد اور بقیہ سارا معاملہ فسخ نکاح کا ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ دارالقضا سے عورتوں کے جو مسائل حل ہورہے ہیں اس کا دوسرا کوئی بدل نہیں ہے، اس لئے موجودہ حکومت مسلم عورتوں کے حقوق کے حوالہ سے اگر واقعی سنجیدہ اور ہمدرد ہے تو وہ مسلمانوں کو سیاسی سماجی اور مذہبی ہر اعتبار سے وہ حقوق دے، آئین ہند میں جس کا ذکر ہے، کہ مردوں کی خوشحالی پر ہی عورتوں کے سکون کا مدار ہے اور اسی طرح حکومت دارالقضا کے فیصلے پنچائت سطح کے فیصلوں کی طرح نافذ العمل قرار دے تاکہ یہاں مسلم عورتوں کو جو انصاف مل رہا ہے، اس کی بنیاد مستحکم ہو اور حکومت پر عام مسلمانوں کا اعتماد بحال ہو۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

□□□
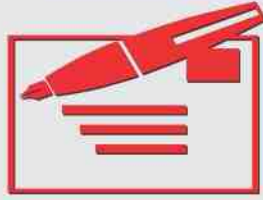
قارئین کے تاثرات

نوٹ: مضامین کی کثرت کے سبب تاثرات روک لیے گئے ہیں، جن حضرات نے اپنے گراں قدر تاثرات ہمیں ارسال کیے ہیں وہ خفا نہ ہوں، ان شاء اللہ اگلے شماروں میں شائع کردیے جائیں گے۔

الرضا مقصدی رسالہ ہے اس کی قدر کی جائے

نبیرہ اعلیٰ حضرت شہزادہ حضور منانی میاں
حضرت مولانا محمد عمران رضا خاں سمنانی میاں، بریلی شریف

بفضلہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ۲۵ ر رجب ۲۳ ر اپریل ۲۰۱۷ کو سرزمین ملک العلما وخلیفہ اعظم سرکار اعلیٰ حضرت مفتی الشاہ سید محمد ظفر الدین بہاری قادری علیہ رحمۃ الباری پٹنہ شہر کے پہلو میں مدفون حضرت غلام رضا عرف منے میاں مرحوم کے صاحب زادے عزیز محترم شاکر رضا نوری کے دولت کدہ پر ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوا تو سرکار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کے سبب شہر کے کئی علما وعوام اطلاع پاکر ملنے کے لئے تشریف لائے جن میں میری نظر میں سب سے عظیم شخصیت ،مقتدر ہستی ،عالم ربانی ،مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک نقیب ،فکر رضا کے علم بردار، اس علاقہ میں رضویت کے سب سے بڑے ناشر حضرت علامہ مفتی ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ صاحب زید مجدہ کی ہے ،انہوں نے مجھے مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان رسالہ دوماہی الرضا کا تازہ شمارہ (مارچ اپریل ۲۰۱۷) پیش کیا اس سے قبل بھی اس کے کئی شمارے مطالعہ میں آئے ماشاءاللہ خوب سے خوب تر پایا اور طبیعت باغ باغ ہوگئی ،یہ شمارہ بھی سابقہ شماروں کی طرح معیاری اور قابل مطالعہ ہے۔ حالیہ شمارہ کو بھی اداریہ سے لے کر تمام مضامین تک بہتر پایا۔ جزاک اللہ خیر الجزا

اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ کے سرورق پہ مقصد اور پہچان کے طور جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق اس کے ذمہ داران مضامین پیش کرنے کی سعی کرتے ہیں ،اس کے مدیران ووابستگان حالات پہ نگاہ رکھتے ہیں اور ہر پہلو سے حالات کا جائزہ لے کر مضامین کا انتخاب کرتے ہیں۔

ڈاکٹر امجد رضا صاحب نے اداریہ میں حضور تاج الشریعہ کے معاندین کا بھرپور محاسبہ کیا ہے اور محض عقیدت کی بنیاد پر نہیں بلکہ حقائق اور حالات کو سامنے رکھ کر کیا ہے میں اس سے بہت متاثر ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ اللہ رب العزت "الرضا" کے جملہ کارکنان اور معاونین کو اس خدمت کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ یہ حضرات ایسے ہی رضا رضا کرتے کرتے رضائے احمدی ورضائے خداوندی حاصل کرلیں ؎

فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

مسلک اعلیٰ حضرت ہمیں یہی بتاتا ہے ؎

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود

مولیٰ تعالیٰ مولانا امجد رضا صاحب کو کہ یہ مسلک کا درد رکھتے ہیں رضویات پہ دو دو رسالے الرضا (دوماہی) اور "رضا بک ریویو" (سہ ماہی) نکالتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف ہیں ادارہ شرعیہ کے قاضی ہیں مولا تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے اور الرضا و رضا بک ریویو کو عروج تام بخشے آمین بجاہ سید المرسلین

□□□

الرضا کا مقصد حق کا اظہار اور گمرہی کا رد ہے

مولانا مشتاق احمد رضوی
مدرس مدرسہ جمیلیہ رضویہ کلیر ضلع ارول

حضرت استاذی الکریم ڈاکٹر امجد رضا صاحب قبلہ!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا کا آٹھواں شمارہ (مارچ اپریل ۲۰۱۷) تمام تر خوبیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے ہے، پہلے شمارہ سے اب تک اس کا معیار

اپنی جگہ برقرار ہی نہیں روز افزوں ہے۔اتنی قلیل مدت میں اس رسالہ نے جوشہرت پائی ہے، شاید ہی کسی کو ملی ہو، الرضا کا مقصد حق کا اظہار اور گمرہی کا رد ہے اس میں یہ پوری طرح کامیاب ہے، جس کی زندہ مثال جام نور کے مدیر کا بوریہ بستر لپیٹ کر امامت پہ قناعت کرنے کا ہے خدا جانے وہ امامت کے ذریعہ کیا گل کھلا رہے ہوں گے۔اگر وہ صحیح ہوتے علمائے اہل سنت کے محاسبہ کی ضرورت ہی پڑتی ؟ مگر اس کے باوجود وہ امامت پہ آگئے ہیں اب اس منصب کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔خیر میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ الرضا جاء الحق وزہق الباطل کا نمونہ ہے خواہ باطل کسی بھی درجہ کا ہو۔

الرضا کا تازہ شمارہ معلومات کا خزانہ ہے۔اداریہ حسب سابق زوردار ہے یہ دل سوز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، امت مسلمہ کو یکجا ہونے، علماء کرام کو امت کی پیشوائی کا فریضہ انجام دینے، مذہب اور مذہبی شعائر کے تحفظ کے لئے اپنی قوتوں کو جمع کرنے، موجودہ نسل کے اندر دینی حمیت اور غیرت اسلامی کا جذبہ پیدا کرنے کی دعوت جس طرح آپ نے دی ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

ڈاکٹر نجم القادری صاحب کا مضمون ''اتحاد کا قاتل کون'' اور مفتی ذوالفقار خان قادری کا مضمون'' یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں '' حقائق سے پردہ اٹھانے والا ہے۔جناب سبطین صاحب کو اب ہوش کی باتیں کرنی چاہئیں، جب گھر کا ماحول اتنا پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے بلکہ ستھرا بنانے والا ہے تو وہ کیوں بگڑ رہے ہیں۔جس طرح کی باتیں ان کے حوالہ سے اس رسالہ میں دکھائی گئی ہیں اس سے یہ کہاں سمجھ میں آتا ہے کہ آپ برکاتی ہیں۔حقیقی برکاتی کی جھلک مفتی ذوالفقار صاحب نے دکھادی ہے، اعلیٰ حضرت خانقاہ برکاتیہ کی کرامت ہیں اور اپنی کرامت کے حوالہ سے آدمی ایسی بہکی بہکی باتیں نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ آپ پر بزرگان مارہرہ کا فیضان جاری فرمائے تا کہ پھر سے اپنے خاندان کی روش پہ لوٹ آئیں۔جب سرزمین مارہرہ سے تعلق جوڑنے والے سبطین میاں کی تقریر ہم لوگوں نے سنی تو شش وپنج میں پڑ گئے تھے مگر الرضا کے اس شمارہ نے معاملہ کو آئینہ کر دیا ہم نے یہ شمارہ اپنے طلبہ مدرسہ جمیلیہ رضویہ کلیر کو پڑھنے کے لئے دیا تا کہ ان کے ذہنوں پہ بھی اگر کوئی گرد پڑی ہو تو وہ صاف ہوجائے۔

اہل قبلہ کی تکفیر کے موضوع پر آپ کا مقالہ بہت علمی اور حقائق کو بے نقاب کرنے والا ہے، واقعی اس سے دیابنہ کی قلعی اتر گئی ہے۔مولانا ملک الظفر صاحب نے کنزالایمان کی انفرادیت پہ اچھا لکھا ہے بزرگ لکھنے والوں میں ہیں اللہ ان کو سلامت رکھے۔

انٹرویو کا کالم بھی پہلے کی طرح بہت فکر انگیز ہے مفتی حسن رضا نوری ادارہ شرعیہ کے مفتی ہیں انہوں نے جوابات بھی اسی معیار کے دئے ہیں۔بلاشبہ حق کے اظہار میں کسی طرح کی مصلحت کو جو دین کے لئے نقصان دہ ہو درمیان میں حائل نہیں ہونے دینا چاہئے۔مفتی صاحب نے ہر سوال کو آسان لفظوں میں ہمارے ذہنوں میں اتار دیا ہے۔

خطا کے موضوع پہ ایک مضمون ''خطا کا حقیقی مفہوم اور بے علموں کی جرأت خطا'' کے عنوان سے ہے بہت عمدہ ہے۔صرف الفاظ ذرا سخت ہیں مگر باتیں بڑی تحقیقی ہیں جن لوگوں نے حضور ازہری میاں قبلہ تاج الشریعہ کی حرمت سے کھیلنا چاہا ہے انہوں نے اپنی آخرت تباہ کی ہے ورنہ یہ کوئی ایسا میٹر نہیں تھا جسے اتنا اچھالا جاتا آپ نے اداریہ میں صحیح لکھا کہ

> ''کیا اس سے صاف واضح نہیں ہوتا کہ یہی وہی طبیعت کے مطابق فتویٰ نہیں ملنے کا بخار ہے جو حضرت محبوب الٰہی سے محبت کے پردہ میں باہر آگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رسالہ کو زندہ اور آباد رکھے آپ نے جماعت اہل سنت کی بڑی خدمت کی اور کر رہے ہیں الرضا اس کا زندہ وجاوید ثبوت ہے۔

□□□

الرضا حق کو حق کہنے کا حوصلہ دیتا ہے

محمد خطاب رضا قادری
متعلم مرکزی دار القرأت جمشید پور

فخر اسلامی صحافت ڈاکٹر امجد رضا امجد!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا کا تازہ شمار (مارچ اپریل ۲۰۱۷) مدرسہ کی لائبریری میں پڑھنے کو ملا، الحمد للہ رسالہ پڑھ کر بہت اچھا لگا، اچھی یہ بات بھی لگی کہ جرأت کے ساتھ حق بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے آج جس کی روایت کم ہوتی جارہی ہے، لوگ حق بات کہنے میں چہرہ اور منصب دیکھتے ہیں مگر الرضا حق کو حق کہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

اداریہ میں حضور تاج الشریعہ کے دفاع میں جو مخلصانہ لہجہ اختیار کیا گیا ہے وہ بہت صحیح ہے اور اس سے ممکن ہے حق مخاطب کے دل میں اتر جائے۔ حضور تاج الشریعہ حق کی علامت اور اہل حق کے سپہ سالار ہیں ان کے ساتھ معاندانہ رویہ اپنانا کیسے گوارا کیا جاتا ہے مجھے حیرت ہے۔

اس شمارہ میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری مفتی ذوالفقار نعیمی اور مفتی حسن رضا نوری کا انٹرویو بہت قیمتی ہے، کنز الایمان پر مولانا ملک الظفر صاحب نے بھی عمدہ لکھا ہے ان کے مضامین سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔

حالات حاضرہ سے بھی واقف کرانے والا مضمون اس میں شامل ہونا چاہئے ملکی صورت حال پر بھی کوئی نہ کوئی مضمون آنا چاہئے یعنی قاری کو ہر طرح کے مطالعہ کی چیز ملنی چاہئے۔ میں الرضا کے تمام اراکین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو لمبی عطا کرے۔ آمین اس خط کو شائع کر کے حوصلہ بڑھایا جائے۔

□□□

خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

ڈاکٹر عبد العلیم رضوی اندور

محب مکرم ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

نیٹ کے ذریعہ آپ کا رسالہ ''الرضا'' دیکھا بہت اچھا لگا۔ رسالوں کی بھیڑ میں امتیازی اور انفرادی شان کا حامل رسالہ ''الرضا'' اب تک میرے مطالعہ کی میز پہ نہیں یہ آپ سے شکایت ہے۔

غالبا یہ آٹھواں شمارہ ہے جو میرے مطالعہ میں ہے، اداریہ سے لے کر جملہ مضامین نے متاثر کیا، اداریہ کا عنوان ''خانقاہ و مدارس میں برتری کی جنگ'' بہت انوکھا اور برمحل ہے، ابھی ہم اپنے ملک میں جن حالات سے گزر رہے ہیں اس میں اتحاد اور ملی وحدت کی ضرورت ہے، آپ کے اداریہ کا یہ حصہ

> ''جا بجا اذاں پر پابندی، قبرستان پر قبضہ، مسجدوں پر بھگوا جھنڈا لہرانے کوشش، ہانڈیوں کی تلاشی، اقتصادی طور پر مسلمانوں کی کمزور کردینے کا منظم پلان، چمڑے کی قیمتوں کو بے معنیٰ بنا کر مدارس اسلامیہ کو بند کرادینے کی سازش، طلاق ثلٰثہ کو مسلم عورتوں کا حق بتا کر مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ناپاک منصوبہ اور ڈرامائی انداز میں فتح ثابت کر کے اپنے ناپاک عزائم کو روبہ عمل لانے کا اعلان۔ یہ ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش مسائل کی ایک جھلک ہے مگر اس ہنگامۂ محشر کے باوجود نہ ملکی سطح پر ہم منظم ہوسکے اور نہ صوبائی سطح پر۔ نہ ہماری انفرادی سوچ میں تبدیلی آئی اور نہ اجتماعی فکر میں۔ نہ ملکی سطح پر ہم کسی کو اپنا قائد مان سکے اور نہ صوبائی طور پر۔ فسطائی طاقت سینکڑوں اختلافات رکھنے کے باوجود تمام برادرانہ عصبیت اور اونچ نیچ کی تفریق بھول کر ''ہندتو'' کے نام پر ایک ہوگئی مگر ہم اللہ والے **واعتصموا بحبل اللہ** کی تعویذ لٹکا کر بھی ایک نہیں ہوسکے۔ آج تک ہمارا نعرہ دلخراش یہی ہے کہ ہمارا پیر بڑا ہے اور ہماری خانقاہ بڑی، ہماری نسل محترم ہے اور ہمارا ادارہ ممتاز''

دل کو چھو دینے والا ہے، کاش ٹکڑوں میں بٹی اس ملت کو اپنے بکھرے ہوئے اجزا کو سمیٹنے کی توفیق مل جائے، آپ نے تو اپنا کام کر دیا اب دیکھیں کون اس پہلو پر سنجیدگی سے سوچتا ہے

مرید سادہ تو رورو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

حضور تاج الشریعہ کے خلاف گدی نشینوں کا سطحی مظاہرہ حیرت انگیز ہے، جب ان اہل تصوف کا یہ انداز ہے تو اوروں کی بے راہروی کا کیا ہوگا؟ آپنے یہ بھی صحیح لکھا کہ جب دیگر بزرگوں کے یہاں یہی چیز ملتی ہے تو وہ تصوف کہلاتی ہے اور جب تاج الشریعہ اسی بات کو دہراتے ہیں تو وہ گستاخی ہوجاتی ہے، معاذ اللہ، کیسی سوچ ہے، اللہ انہیں ہدایت دے۔

اس شمارہ میں شامل تمام مضامین عمدہ اور معیاری ہیں، جناب مفتی ذوالفقار اور ڈاکٹر نجم القادری کے مضامین دو رخ پیش کرتے ہیں مگر دونوں حالات کے تناظر میں ہیں۔

اہل قبلہ کی تکفیر پر دیوبندیوں کی خیانت آپ نے اپنے مقالہ ''اہل قبلہ کی تکفیر اور امارت شرعیہ'' میں اچھی طرح واضح کردی ہے، اعلیٰ حضرت کو بدنام کرنے کی یہ بھی عجیب سازش ہے جو یہ لوگ

اپنائے ہوئے ہیں آپ نے اعلیٰ حضرت کی کتاب کا اقتباس دے کر مسئلہ کو مکمل واضح کردیا ہے اللہ مبارک کرے، ماشااللہ۔

انٹرویو کا کالم بھی معلوماتی ہے مفتی حسن رضا نوری صاحب نے بہت سے حالات سے پردہ ہٹایا ہے، ان سے میری ملاقات ادارہ شرعیہ میں ہے، آدمی قابل بھی ہیں اور مخلص بھی، انٹرویو میں اس کی جھلک بھی ملتی ہے۔ ویسے انٹرویو کا کالم بہت عمدہ ہے اس سے اہم شخصیات کی حیات وخدمات کی جھلکیاں سامنے آجاتی ہیں، ریسرچ کرنے والوں کے لئے یہ بات کالم مفید ثابت ہوگا۔

دارالعلوم نوری اندور کے طلبہ اس رسالہ کے شائق ہیں، دس عدد رسالہ یہاں بھجوائیں انشا اللہ اور بھی خریدار بنیں گے، اتنا عمدہ رسالہ نکالنے پر دلی مبارکباد۔

□□□

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

□ محمد نورالہدیٰ نور: رضا باغ گنگٹی سیتامڑھی بہار

محترم جناب ایڈیٹر صاحب قبلہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

پوپری کی ''مدینہ مسجد'' کی ڈھلائی کے موقع سے آپ نے الرضا کا شمارہ دیا اس کے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، بہت محظوظ ہوا، سارے مضامین اچھے لگے خاص کر آپ کا اداریہ، استاذ گرامی حضرت ڈاکٹر مولانا غلام مصطفٰے نجم القادری صاحب کا ''اتحاد کا قاتل کون'' آپ کا مضمون ''اہل قبلہ کی تکفیر اور امارت شرعیہ'' مولانا طارق رضا کا ''ہندوستان کا بدلتا منظرنامہ اور مسلمان'' حضرت مولانا ملک الظفر صاحب کا مضمون ''کنزالایمان اردو ترجمہ قرآن کا منفرد عنوان'' نظروں سے دل تک پہنچتا ہے۔ میثم عباس صاحب نے تو ذیشان مصباحی کو صحیح آئینہ دکھایا ہے خدا کرے بات ان کے دماغ میں اتر جائے۔ حضرت خواجہ غریب نواز پہ سید شاہ تقی حسن بلخی علیہ الرحمہ نے بھی دل سے مضمون لکھا ہے پڑھ کر کیفیت طاری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان سارے لکھنے والوں کو اس کا بھرپور بدل عطا فرمائے۔

پوپری میں مسجد کے قیام اور علاقہ میں سنیت کو مستحکم کرنے کے لئے مدرسہ کے قیام کا منصوبہ خوب ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے کہ یہ کام آپ کے حصہ میں آیا۔ جزاک اللہ۔

□□□

میثم عباس نئی دریافت ہیں، مبارک باد!

□ مولانا شارق رضا قادری: الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

سفیر رضویات جناب ڈاکٹر امجد صاحب قبلہ

ہدیہ سلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرضا کے تازہ شمارہ کی زیارت سے نگاہیں شادکام ہوئیں۔ الرضا کامیابی کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہے یہ فال نیک ہے اللہ مبارک کرے۔

اس شمارے کے مزاج میں تلون اور رنگارنگی ہے یعنی بعض نام نہاد اہل خانقاہ کا احتساب آپ کے اداریہ میں، صلح کلیت کا احتساب میثم عباس صاحب کے مضمون میں، دیوبندیت کا احتساب آپ کے مضمون اہل قبلہ کی تکفیر اور امارت شرعیہ میں، ملکی حالات کا سیاسی منظرنامہ مولانا طارق کے مضمون میں، حضور خواجہ غریب نواز کی بارگاہ میں حاضری سید شاہ تقی حسن بلخی کے مضمون میں گستاخ تاج الشریعہ کا آپریشن جناب مولانا زاہد صاحب کے مضمون میں اور دعوت اتحاد حضرت ڈاکٹر نجم القادری صاحب کے مضمون میں۔ یہ رنگارنگی علمی انداز میں ہے اس لئے رسالہ الرضا قاری کو اپنے حصار میں لے لیتا ہے۔

اس شمارہ کے مقالہ نگاروں میں مجھے میثم عباس صاحب نئے معلوم ہوئے اور بڑے اچھے معلوم ہوئے، یقینا یہ الرضا کی نئی دریافت ہیں ان کا ہمارے یہاں خیرمقدم ہے اور یہ توقع ہے کہ وہ اسی طرح اپنے مطالعہ کو یہاں شیئر کرتے رہیں گے۔

جشن صدسالہ امام احمد رضا کے حوالہ سے انٹرویو میں کئی باتیں پڑھنے کو ملیں مگر اب تک یہ پڑھنے کو نہیں ملا کہ اس پر عمل بھی ہو رہا ہے کہ نہیں۔ تجاویز بہت ساری آگئی ہیں اب اس پر عمل بھی ہونا چاہئے۔

اللہ کرے الرضا یونہی خوش عقیدگی کے پھول کھلاتا رہے اور ہمارا دماغ اس سے معطر ہوتا رہے۔

□□□

جناب سبطین میاں کی غیر سنجیدہ گفتگو پر ایک سنجیدہ تحریر

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

مفتی ذوالفقار خاں رضوی نگرالوی

گذشتہ سے پیوستہ:

حدیث افتراق اُمت:

سید صاحب کہتے ہیں:

"علما کی موجودگی میں میں ایک اور گانٹھ کھولنا چاہتا ہوں سستے مقرر منبروں پر کھڑے ہوکر سنیوں کی مجلسوں میں ایک روایت رسول اللہ ﷺ پہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ معلوم ہے کون سی روایت باندھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ جو ہے وہ جنت میں جائے گا۔ سبحان اللہ۔ جس رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک کرنے کے لیے بھیجا ہے، جس رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عالم والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سوچو ذرا رسول اللہ ﷺ رحمۃ اللعلمین ہیں۔ ان کے بارے میں مولوی کیا کہہ رہا ہے کہ سرکار نے فرمایا ہے۔ کہ بہتر فرقے ان کی امت کے جہنم میں جائیں گے۔

نائن ٹی نائن پرسنٹ سرکار کے نام لینے والے جہنمی ہوں گے۔ کبھی سمجھا اس بارے میں مولوی صاحب بول کر چلے گئے اور تم نے کہا سبحان اللہ کیا بات ہے۔ سرکار کی امت جو ہے فرقوں میں بٹ جائے گی۔ مولوی صاحب نے دیا اور تم نے لیا۔ اور دیکھا بھی نہیں کہ مولوی صاحب نے کیا دیا ہے تمہیں۔ امرت دیا ہے کہ زہر دیا ہے۔ سوسال ہو گئے زہر کھاتے کھاتے تم کو۔ رگوں میں زہر دوڑ گیا ہے تمہارے۔۔۔۔۔۔۔اور سنو! یہ پروگرام لائیو ہو رہا ہے لائیو، ریلے ہاں میں یہ نہیں کہ کسی بستی میں بول رہا ہوں یہ بات، الحمد للہ ہم کسی کے باپ سے نہیں ڈرتے۔ ہم زیدی ہیں، زیدی امام زید کی اولاد ہیں ہم۔ اور حق بولنے میں زیدی کسی کے باپ کی پرواہ نہیں کرتے۔۔۔۔۔کان کھول کر سن لیں دنیا والے بہت ہو گیا ہمارے نانا احمد مختار ﷺ پر جھوٹ باندھنا۔ ہمارے نانا انسان کو ملانے آئے تھے ایک دوسرے سے، انسان کو الگ کرنے نہیں آئے تھے۔ اس قسم کی گھڑی ہوئی روایتیں بیان کر کے مسلمانوں کو، آج وہ دن آ گیا کہ دوسرے مسلمانوں کو ٹیررسٹ کہنے لگے۔ سوچو ذرا اس بات کو فرقہ وارانہ فرقہ واد کیا مطلب ہوتا ہے فرقہ واد کا، نبی کہہ رہا ہے، ہمارا رسول کہہ رہا ہے۔

من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ،

جس نے کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھ لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور مولوی کیا کہہ رہا ہے اور مولوی کہہ رہا ہے کہ کلمہ پڑھنے والوں پر تم بھروسہ مت کرو۔ اللہ اکبر سوچو تمہیں نبی کی ماننی ہے یا ملّا کی ماننی ہے۔ بار بار یہی ہوا کہ جب نبی کی ماننا چھوڑ دی اور مولوی کی ماننا شروع کر دی تبھی تو یہ الگ الگ فرقے بٹے، الگ الگ فرقے اس لیے بنے یہ سلسلوں کی لڑائی بھی کیسے شروع ہوئی ایسے شروع ہوئی، یہ برکاتی یہ فلانے اور ڈھما کے اور ھما کے یہ کیسے شروع ہوئے ایسے شروع ہوئے یہ مولویوں نے کرنا شروع کیا۔ اللہ اکبر۔"

اور آگے جا کر کہتے ہیں:

"فرقے والی حدیث ہے اس کے چلیے میں آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں ورنہ پھر ہو سکتا ہے کہ ذہن میں کچھ بات رہ جائے۔ اس حدیث کے بارے میں علمائے کرام نے فرمایا خصوصی طور پر ان کا نام میں بتا رہا ہوں جنہوں نے فرمایا بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ ان کا نام ہے حضرت ابن وزیر وہ فرماتے ہیں کہ یہ

حدیث جو ہے جس میں سرکار کی طرف منسوب کر کے بتایا جاتا ہے کہ سرکار نے فرمایا کہ بہتر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں ۔

کلھا فی النار الا واحدۃ۔ یہ جو جملہ ہے یہ اصلی حدیث میں موجود ہی نہیں ہے ۔ یہ فرماتے ہیں علامہ ابن وزیر صاحب رحمۃ اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ۔ فرماتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے جو دشمن ہیں جو ملاحدہ جو مسلمان میں فتنہ پیدا کرنا چاہتے تھے یہ ان لوگوں نے حدیث کی کتابوں میں جملے کو جوڑا۔ تا کہ مسلمان ایک دوسرے پر شک کرنے لگیں اور ان کی صفوں میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ اب سوچو اس کے بعد اس پورا اورڈن دیتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ تم کو لوگوں کو اسلام کی طرف بلانا ہے۔ اب مثال کی طور پر تم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے باہر نکلے تم نے کہا کسی غیر مسلم سے تم نے کہا آیئے یہ دیکھئے گھر ہے اس گھر میں آپ داخل ہو جایئے آپ کا بڑا فائدہ ہوگا تو وہ کہے گا کیا فائدہ ہے صاحب تو آپ اس سے کہیں گے کہ یہ گھر ایسا گھر ہے کہ اس گھر میں تہتر لوگ رہ سکتے ہیں ۔ اور اس گھر کا فائدہ یہ ہے کہ صبح ہوتے ہوتے اس میں ایک شخص ایسا ہوگا تہتر میں جس کو روئے زمین کی ساری بادشاہت عطا ہو جائے گی ۔ وہ پوچھے گا اچھا وہ جو باقی کے بہتر ہیں ان کا کیا ہوگا کہنے لگے باقی کے بہتر کا معاملہ یہ ہوگا کہ صبح ہوتے ہوتے سب کی گردن اڑا دی جائے گی ۔ اب مجھے بتاؤ اس قسم کی دعوت پر کیا کوئی بھی شخص اس گھر میں داخل ہونے کو تیار ہوگا۔ پہلے ہی تم جا کے بول رہے ہو کہ بھیا اسلام ایسا دین ہے جس میں تہتر فرقے ہیں ۔ تو کون غیر مسلم تمہارے یہاں اسلام میں آئے گا۔ کوئی آئے گا اور تم کیا بول رہے ہو کہ بہتر فرقے ہمارے دین میں ایسے ہیں جو جہنمی ہو جائیں گے جہنم میں جانے والے ہیں نرگ واسی ہیں وہ کہے گا یا روہ کہے گا یار پتہ نہیں میں بہتر میں سے ہوں یا تہتر واں ہوں میں ۔ لوجیکل بات سوچئے ۔ جو ہمارے بزرگوں نے جو ہمارے محدثین نے بتائی ہے ۔ وہ بات سوچئے ۔ آج کل کا زمانہ وہ نہیں رہا کہ مولوی صاحب کچھ بھی بول کر نکل گئے تو پبلک اس کو قبول کر لے گی ۔ نہیں آج کل کتابیں اوے لیبل ہو گئی ہیں مارکیٹ میں ۔ اور لائبریریس کے اندر ۔ پوری دنیا انٹرنیٹ کے ذریعہ ویب کے ذریعہ ولڈ وائڈ ویب کے ذریعہ آپس میں جڑ گئی ہے ۔ اور پوری دنیا والوں کو پتہ چل جاتا ہے ۔''

سید صاحب نے اس پوری گفتگو میں کس طرح حدیث افتراقِ اُمت کا انکار کیا ہے، صرف ایک غیر معروف محدث کا حوالہ دے کر ہزاروں کتابوں اور محدثین وفقہا وعلما ومشائخ پر کس طرح زوردار حملہ کیا ہے، اس کا اندازہ سید صاحب کو نہیں ہے ۔ سید صاحب اگر حدیث کی معتبر کتابیں اور اکابر محدثین کی معتبر ومستند تحریرات، فقہا کی صاف عبارتیں، صوفیا کے ظاہری اقوال اور خاص کر مشائخ مارہرہ شریف کی تعلیمات کا ایک بار مطالعہ کر لیتے تو یہ بے چارے مولوی حضرات سید صاحب کے غضب کا شکار نہ ہوتے اور ان پر حضرت کے عتاب کا نزلہ نہ گرتا۔ فرقہ واد کو مولویوں کی روش بتانے سے پہلے مارہرہ شریف کی لائبریری میں جا کر اپنے اکابر کی کتابیں اُٹھا کر ورق گردانی کر لیتے تو پتہ چل جاتا کہ کس طرح فرقہ در فرقہ مخالفتیں اس میں در آئی ہیں ۔ اکابر مارہرہ نے کس طرح بہتر فرقوں کی بیخ کنی کی ہے اور کس طرح ان کی بخیہ دری کرتے ہوئے اہلِ سنت کی محافظت فرمائی ہے ۔ سید صاحب نے اپنا لوجک بیان کر دیا مگر اپنے اکابر کا لوجک بھول گئے ۔ ستے مقرر کہہ کر خود اپنے اکابر پر حملہ کرنا بھی عجیب لوجک ہے، ایک دو مولویوں کی ناقص تحقیقات سے سید صاحب اتنا مرعوب ہوئے کہ خود اپنے گھر کی تعلیمات پسِ پشت ڈال دیں، اور ستے مولوی مقرر، کہہ کر خود اپنے بزرگوں کے تقدس کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔

آئیں بہتر فرقوں کے جہنمی ہونے اور ایک کے جنتی ہونے پر، خود سید صاحب کے گھر سے شہادتیں پیش کر دیں کیوں کہ سید صاحب کسی مُلّا کی تو مانیں گے نہیں مگر اُمید ہے ابا اور دادا کی تو مانیں گے ۔ مُلّا سے پتہ نہیں سید صاحب کو کون سا بیر ہے ۔ خیر ملاحظہ فرمائیں :

حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' کے دوسرے لمعہ کے ساتویں نور میں فرماتے ہیں :

'' و بہ عقائد اہلِ سنت و جماعت محکم پے باشش کہ ہمیں یک فرقہ از ہفتاد و سہ ملت ناجی ست باقی ناری ۔۔۔۔۔ ھکذا افاد جدنا الامجد سیدنا السید عبدالواحد قدس سرہ فی سبع سنابل''

[سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، فارسی ص ۲۲ مطبع وکٹوریہ پریس بدایوں]

حضور امین ملت امین میاں مارہرہ شریف اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں :

''جماعت اہلِ سنت کے عقیدوں پر مضبوطی سے جمے رہو۔ کہ

تہتر فرقوں میں سے یہی فرقہ نجات پائے گا، باقی سب دوزخی ہیں۔۔۔۔۔فقیر کے جد اعلیٰ حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ نے سبع سنابل میں یہی تحقیق فرمائی ہے۔''

[سراج العوارف مترجم۔ص ۵۰،۵۱]

سبع سنابل شریف جس کے حوالے سے حضرت نوری میاں نے ذکر کیا اس کا ذکر یہاں غیر مناسب نہ ہوگا، کیوں کہ حضور سید میر عبدالواحد بلگرامی مارہرہ مقدسہ کے پہلے بزرگ ہیں، سید صاحب کے اجداد میں شامل ہیں۔اور یہ ان کی معتبر کتاب ہے جس کی معتبرو مستند ہونے پر ہمیں یقین ہے سید صاحب کو شک نہ ہوگا۔وہ فرماتے ہیں:

''پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ امت من ہفتاد و چند گروہ باشند و رستگاہ از میان ایشان یک گروہ بود پرسیدند یا رسول اللہ آن گروہ کدام است فرمود علیہ الصلاۃ والسلام اہل سنت و جماعت''

''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت ستر اور چند یعنی (تہتر) فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ان میں نجات پانے والا صرف ایک گروہ ہوگا۔صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا گروہ ہوگا؟ فرمایا اہلِ سنت و جماعت۔'' [سبع سنابل شریف، مطبع نظامی واقع کانپور،ص ۵]

حضرت آلِ مصطفیٰ سید میاں قبلہ علیہ الرحمہ مرتب اہلِ سنت کی آواز مارہرہ شریف سفر بہار کی تفصیلی روداد بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر افتراقِ امت سے متعلق اپنے ایمان افروز باطل سوز خطاب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''وہ صراط مستقیم جو سورہ فاتحہ اور حدیث ماانا علیہ و اصحابی میں بالاجمال بیان کی گئی تھی اس آیہ کریمہ میں اسی کی تفصیل فرمائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ بندہ رکوع وسجود کر کے رضائے خداوندی طلب کرتا ہے اور خدائے برتر رضائے محمد چاہتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جس بندے نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ناراض کر دیا اس کے رکوع وسجود ہرگز رضاء خداوندی کا باعث نہ بن سکیں گے۔اس سلسلہ میں وہابیہ دیوبندیہ اور ان کی چہر توحید کا رَد کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ جلیلہ بیان کرتے ہوئے واقعاتِ قیامت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اس دن مواقع ومخالف سب انہیں کا دَم بھرتے ہوں گے اور بہتر گمراہ پارٹیاں بھی شفاعتِ عامہ سے حصہ لینے پر مجبور ہوں گی پھر حدیث افتراق اُمت بیان کرتے ہوئے سنّی مسلمانوں کو ان سے علاحدہ رہنے اور صرف فرقہ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت کا ہی ساتھ دینے کی تلقین کی۔''

[اہل سنت کی آواز،حصہ دہم،ص ۱۱]

مارہرہ مقدسہ کے مشہور ومعتبر رسالہ ''اہل سنت کی آواز'' سے محترم قاری محمد اکبر صاحب برکاتی کی تحریر بھی یہاں نقل کرنا غیر مناسب نہ ہوگی۔لکھتے ہیں:

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جس میں صرف ایک ہی فرقہ ناجی ہوگا باقی جہنمی ہوں گے۔ناجی فرقہ وہ ہوگا جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے راستے پر ہوگا اور قرآن عظیم اور اہلِ سنت کرام کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوگا وہ فرقہ ہے اہل سنت والجماعت۔باقی فرقے والے انبیا و اولیا سے حسد کریں گے اور ان کے خلاف بغاوت کریں گے۔مزے کی بات یہ ہے کہ حسد کے عدد بھی بہتر ہیں۔''

[اہل سنت کی آواز مارہرہ شریف، اکتوبر ۱۹۹۷ء ص ۳۱۴]

سید صاحب کے والد گرامی علیہ الرحمہ کی تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں، جو حضرت نے ''تہتر میں ایک'' نامی کتاب میں بطور تقریظ عطا فرمائی تھی۔

''صرف ہم ہی حق پر ہیں، یہ بات آج سے نہیں بلکہ ایک زمانے سے چلی آرہی ہے۔قرآن شریف میں بھی تقریباً اسی طرح کا دعویٰ کرنے والے دو فرقوں یہود و نصاریٰ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ کے جھرمٹ میں فرمایا:

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلث و سبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ۔

یعنی بنی اسرائیل بہتر مذہبوں میں بٹ گئے تھے اور عن قریب میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں ایک کو چھوڑ کر سب جہنمی ہوں گے۔غیب داں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اتنی بھاری بات سن کر صحابۂ کرام کا تشویش میں مبتلا ہوجانا فطری امر تھا۔وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ وہ ایک فرقہ کون سا ہوگا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجی یعنی نجات یافتہ قرار دیا ہے۔صحابہ نے ہمت کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ ہی لیا

قالوا من ھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

عرض کیا ارشاد فرمائیں کہ وہ ایک ناجی فرقہ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما انا علیه و اصحابی، میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر عمل کرنے والا۔"

[تہتر میں ایک، مطبع رضوی پریس ایجنسی دہلی، اشاعت اول، ۲۰۰۹ء ص ۸، ۹]

سید صاحب کہتے ہیں کہ

"کسی مسلمان کو دیکھتے ہو سلام کرنے کو راضی نہیں ہوتے ہو، پتہ نہیں یہ مسلمان ہے کہ نہیں؟ پتہ نہیں اس کا عقیدہ کیسا ہے؟ پتہ نہیں یہ سنی بریلوی، اشرفی برکاتی، نوری ہے کہ نہیں؟

ارے یار سلام کرنے کے لیے یہ شرطیں تھیں کیا؟ رسول اللہ نے کیا فرمایا: افشوا السلام، سلام کو پھیلاؤ۔ یہ سرکار نے فرمایا تھا کہ جب کسی برکاتی کو دیکھنا تو صرف اسی کو سلام کرنا۔ بولو، نہیں نا؟ سرکار نے کیا فرمایا تھا سلام کو پھیلاؤ۔"

سید صاحب! جہاں تک ہماری معلومات ہے کوئی بھی سنی سلام کے معاملے میں سلسلے کا لحاظ نہیں کرتا بلکہ فرقے کا لحاظ کرتا ہے۔ اور یہ اس کے لیے لازمی ہے کیوں کہ بدمذہب و بدعقیدہ کو سلام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بدمذہب تو دور فاسق کو بھی ابتدا بالسلام مکروہ ہے شریعت میں۔ بدمذہب کو سلام کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

حضور تاج العلماء مارہروی فرماتے ہیں:

"غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں فرمایا:

المبتدع من حیث الاعتقاد و هو اشد من الفسق من حیث العمل،

بدمذہب عقیدے کا فاسق ہے اور وہ عمل کے فسق سے بدتر ہے نیز حدیث شریف میں ہے۔ حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا:

من مشی صاحب بدعة لیو قرہ فقد اعان علی هدم الاسلام

جو کسی بدمذہب کی طرف اس کی توقیر کرنے کو چلا اس نے اسلام کو ڈھانے میں اعانت کی۔"

[مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری، ناشر دفتر جماعت اہل سنت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ص ۴]

سید صاحب مزید فرماتے ہیں

"۔سب سے پہلی بات جو میں آپ کو ڈائرکٹلی خانقاہ برکاتیہ کے ایک ذمے دار خادم سجادہ ہونے کے ناطے میں آپ کو لا گو کر رہا ہوں، میرے سلسلے والے کسی فرقہ واد میں نہیں پڑیں گے۔ آپ کو صرف اپنے رسول سے مطلب ہے۔ اور آپ کو صرف آلِ رسول سے مطلب ہے۔ کوئی تم سے بولے کہ فلانے فرقے والا، ڈھما کے فرقے والا، آپ کو ہمارے رسول نے قرآن دیا ہے اور اپنی آل دی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ سمجھے رسول نے تم کو صرف قرآن دیا ہے۔ اور رسول نے تم کو صرف اپنی آل دی ہے۔ ان دو کے علاوہ تم کسی میں مت پڑنا۔ اس بات کو یاد رکھو۔"

سید صاحب سے عرض ہے کہ کیا سید صاحب نے سلسلہ بھی نیا بنالیا ہے؟ کیوں کہ آپ کے سلسلے کی یہ تعلیم ہی نہیں ہے وہ کسی فرقہ واد میں نہیں پڑیں گے۔ بلکہ انہوں نے فرقہائے باطلہ کی نشاندہی بھی فرمائی اور ان فرقوں کی بیخ کنی بھی کی۔ نیز اپنے مریدوں کو ان سے اجتناب واحتراز کا حکم اور اہلِ خاندان کو ان سے دور و نفور رہنے کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ سراج العوارف کے دوسرے لمعہ کے پندرہویں نور میں فرماتے ہیں:

"فی زمانہ از شروع ۱۲۲۹ھ فرقہ ضالہ کہ آغاز کارش بدعت وتفرقہ و انجام اوالحاد وزندقہ ست در ہندوستان پیدا شداست کہ انرا در عرب وہابی می گویند منسوب با بن عبدالوہاب نجدی کہ شیطانی درعرب شریف پیدا شدہ بود زنہار زنہار باایں فرقہ گمراہ اختلاط نکنند و برائے شناخت ایں طائفہ تالقہ ہمیں یک کلمہ کہ میگویم کافیست ایں فرقہ عم بزرگوار روافض ست رارافضیان درخدمت صحابہ بے ادبی می کنند وایناں بخدمت حضرت رسول مقبول ﷺ بلکہ بہ بارگاہ خدای عزوجل ہم بگستاخی و بے ادبی پیش می آیند چنانچہ بذات خداوند تعالی نسبت امکان کذب می کنند وعلم وصدق وغیرہ صفات و اراختیاری دانند معاذ اللہ من ذلک انتہائے نتیجہ جہد ایں فرقہ نیچریہ است مادر ضلالت ابلیس دختری زاد کہ تادختر ماند وہابیش خوانند و چوں بلوغ رسد و خون الحاد از جوش زند و روی شوی کفر بیند باسم نیچریت موسوم کنند ازیں ہر دو فرقہ ہر دو فرقہ دور تر باید ماند کہ ماران سیاہ و غولان راہ اندحق سبحانہ تعالیٰ ازصحبت چنیں کساں درحفظ خود داراو۔ آمین۔"

[سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، فارسی ص ۲۴ مطبع وکٹوریہ پریس بدایوں]

حضور امین ملت اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"اس زمانہ ۱۲۲۹ھ میں ہندوستان میں ایک گمراہ فرقہ

پیدا ہوا جس کی شروعات بدعت اور ایک دوسرے کو لڑانے سے ہوتی ہے۔ اور اس کا انجام کار الحاد و زندقہ ہے۔ عرب میں اسے وہابی کہتے ہیں جو ابن عبدالوہاب نجدی سے منسوب ہے۔ یہ ایک شیطان تھا جو عرب شریف میں پیدا ہوا تھا۔ ہرگز ہرگز اس گمراہ فرقہ سے میل جول نہ رکھیں۔ اور اس مکار گروہ کی پہچان کے لئے بس یہی کافی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ یہ فرقہ رافضیوں کا چچا ہے۔ رافضی صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور یہ وہابی رسول مقبول ﷺ کی شانِ اقدس بلکہ خدائے عزوجل کی بارگاہ میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولنے کا امکان اور علم وصدق وغیرہ صفاتِ الٰہیہ کو اختیاری مانتے ہیں۔ اللہ کی پناہ اس فرقہ سے۔ اس فرقہ کی آخری کوشش کا نتیجہ فرقۂ نیچریہ ہے۔ ابلیس کی بدمعاش ماں نے ایک بیٹی پیدا کی جب تک وہ کم عمر رہتی ہے اسے وہابی کہا جاتا ہے اور جب بالغ ہوتی ہے اور الحاد کا خون اس کی رگوں میں جوش مارتا ہے اور وہ اپنے شوہر کفر کا منھ دیکھتی ہے تو نیچریت کہی جاتی ہے۔ ان دونوں فرقوں سے بہت دور رہنا ضروری ہے کہ کالے سانپ اور راستہ بھٹکانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کی صحبت سے اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔ [سراج العوارف مترجم۔ ص ۵۴، ۵۵]

حسام الحرمین کی تصدیق وتائید کرتے ہوئے حضرت تاج العلماء محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''بیشک فتاوے مبارکہ حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین حق وصحیح ہے۔ اور غلام احمد قادیانی اور رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی اور قاسم نانوتوی اپنے ان کفریاتِ واضحہ صریحہ ناقابلِ توجیہ وتاویل کی بنا پر جن کا حوالہ اس استفتا اور مجموعہ فتاوی مبارکہ حسام الحرمین میں ہے ضرور کفار مرتدین ملعونین ہیں۔ ایسے کہ جو ان کے ان کفریات پر مطلع ہو کر بھی ان کے کفر میں شک کرے اور انہیں کافر نہ جانے وہ خود کافر۔ مسلمان پر احکام حسام الحرمین کا ماننا فرض قطعی ضروری، اور ان کے مطابق عمل کرنا حکم شرعی لازم حتمی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

الفقیر اولادرسول محمد میاں قادری البرکاتی عفی عنہ

حضرت اسمٰعیل حسن علیہ الرحمہ نے الجواب صحیح، سے اس کی تائید فرمائی ہے۔'' [الصوارم الہندیہ، ص ۳۳]

''حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کو تاج العلماء علیہ الرحمہ نے جو خلافت عطا فرمائی اس خلافت نامے میں باطل فرقوں خصوصاً وہابیہ ودیابنہ سے اجتناب اور ان کے رَد کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نیت خالصہ پر استقامت اور دشمنانِ دین ومخالفانِ شرع متین سے حتی الوسع دور اور ان کے مراتب کے مطابق ان سے بیزار و نفور رہیں۔ جملہ کفار ومشرکین ومرتدین ومبتدعین بالخصوص وہابیہ ملاعنہ دیوبندیہ ونجدیہ نیچریہ زنادقہ غرض جملہ فرق باطلہ پر ردو طرد کو اپنا شعار بنائیں۔'' [یادِ حسن ص ۳۹، سیدین نمبر، ص ۲۵۷]

حضور تاج العلماء فرماتے ہیں:

''نیچری ہوں یا رافضی قادیانی ہوں یا وہابی صلح کل ہوں یا کانگریسی وغیرہ وغیرہ وہ کون بدمذہب فرقہ ہے جو اس کا مدعی نہیں کہ اس کا دین اور مسلک خود قرآن ہی سے نکلا ہے۔ جب یہ اس قدر کثرت سے بددینوں لامذہبوں کے فرقے تو علمائے دین سے کٹ کر اپنی رائے سے قرآن عظیم سے اپنا دین نکالنے والے ان خود پسندوں شیطان کے بندوں کے نام لیوا ہیں۔''

[مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری، ناشر دفتر جماعت اہل سنت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ص ۱۱]

تاج العلماء اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''امام ابن سیرین کا قصہ مشہور ومعروف ہے کہ انہوں نے بدمذہبوں سے حدیث سننا گوارا نہ فرمائی، ان سے قرآن مجید کی آیت سننا پسند نہ کی یہاں کہ انہیں اپنے پاس سے دور فرما دیا۔ حدیث وقرآن مجید تو فی نفسہ ضرور حق وہدایت ہی ہیں ان سے بڑھ کر حق وہدایت کون ہوگا مگر ان امام اہل سنت نے اس حق وہدایت کو بھی بدمذہب سے نہ سنا۔ آخر اس کی کیا وجہ یہی کہ انہیں اندیشہ ہو کہ کہیں وہ بدمذہب انہیں حق وہدایت سنانے کے بہانے ہی بہکا نہ دیں۔ بدمذہبوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہ اُتر جائے۔۔۔۔ اور یہی تمام سنیوں کا مسلمہ جزئیہ ہے کہ بدمذہبوں، مرتدوں، کافروں، مشرکوں کو اپنے دین ودنیا کسی میں اپنا پیشوا اور رہنما دخیل ومعتمد نہ بنایا جائے۔ ان سے احتراز کلی رکھا جائے۔''

[برکاتِ مارہرہ ومہمانانِ بدایوں، ص ۱۶]

(جاری)۔۔۔۔۔۔۔

طبقہ اہل حدیث کے لئے لمحہ فکریہ

نواب صدیق حسن: اور اندرون خانہ کی بوالعجبیاں؟

ابوالرّضا میثم عباس قادری رضوی
massam.rizvi@gmail.com

رعایا اپنے حاکم کے نقش پر چلتی ہے۔قوم اپنے سرداروں سے درس پاتی ہے۔اہلِ سُنّت کے اکابرین کی حیات کا مطالعہ فرمائیں تو دل عش عش کر اٹھتا ہے، کہ کتاب وسُنّت پر عمل کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنا سراپا، لیل ونہار سب کچھ سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل درآمد کر کے گزارتے ہیں۔آج کے وہابیہ دیابنہ کی خرافات وبدعات کو دیکھیں اور اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جس طبقے کے زعما کا حال یہ ہے اس کے پیروکاروں سے اچھی امید خام ہے۔

اس مقالہ کا پس منظر یہ ہے کہ'' ہفت روزہ الاعتصام، لاہور'' یکم تا ۷/فروری ۲۰۱۳ء کے شمارے میں اشرف جاوید نامی غیر مقلد صاحب کا مضمون نظر سے گزرا۔جس کا عنوان تھا:

''کیا نواب صاحب کی بیگم پردہ نہیں کرتی تھیں؟''

مضمون نگار نے اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ان کے مزعومہ ''محدث، مفسر، مجدد، امام'' نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی غیر مقلد کی زوجہ شرعی پردہ کرتی تھیں اپنے مدعا کے ثبوت میں اُنھوں نے ایک واقعہ نواب صدیق حسن خان صاحب کی (غیر مقلدین کے نزدیک) مستند سوانح عمری ''مآثر صدیقی'' سے پیش کیا ہے۔جس میں یہ بیان ہے کہ نواب صاحب کی بیگم نے ایک مجلس میں پردہ کیا تھا جو کہ النادر کالمعدوم کے قبیل سے تھا۔لیکن اشرف جاوید غیر مقلد صاحب نے خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اسی کتاب ''مآثر صدیقی'' سے وہ حقائق پیش نہیں کیے جو زوجۂ نواب صدیق حسن خان کے متعلق اس تاثر کی نہایت شدت سے نفی کرتے ہیں کہ وہ پردے کے مکمل شرعی طریقے پر عمل پیرا تھیں۔

اپنے اصل مدعا کو بیان کرنے سے پہلے قارئین کے لیے ''دیوث'' کی مذمت اور کچھ تفصیل نقل کر رہا ہوں جو آپ کے لیے اس مضمون کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگی۔

دیوث کے لیے جنت حرام ہے:

☆حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے کسی شادی شدہ عورت سے زنا کیا تو قبر میں اس اُمت کا نصف عذاب اس مرد اور عورت کو ہوگا (عورت کو تب ہوگا جب وہ راضی ہو) اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ عزّ و جلّ اس زانی کی نیکیاں اُس عورت کے شوہر کو دے دے گا اور اس کے شوہر کے گناہ اس زانی کے ذمّے ڈال دے گا اور اسے جہنم میں ڈال دے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب شوہر کو زنا کا علم نہ ہوا، اور اگر اس کے شوہر کو خبر ہوئی کہ کسی نے اس کی بیوی سے زنا کیا اور وہ خاموش رہا تو اللہ عزّ و جلّ اس پر جنت کو حرام فرمادے گا اس لیے کہ اللہ عزّ و جلّ نے جنت کے دروازے پر لکھ دیا ہے کہ تُو دیّوث پر حرام ہے

(قُرَّةُ الْعُيُوْنِ وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن بنام نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں صفحہ ۳۵ ترجمہ مؤلّف فقیہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المتوفی ۳۷۳ھ ناشر: مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی)

☆ ثلاثة لا يدخلون الجنة: العاق لوالديه والديوث والرجلة من النساء

(رواه النسائی والبزار بسندين جيدين والحاكم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ("المستدرک علی الصحیحین"، کتاب الإيمان، ثلاثة لا يدخلون الجنة،

الحدیث: ۵۴۲۶، ج ۱ ص ۲۵۲)۔

(ترجمہ) ''تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردوں کی وضع بنانے والی عورت (نسائی اور بزار نے جید سندوں کے ساتھ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا)''۔

("الحقوق لطرح العقوق" صفحہ ۶۰ مصنّف، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن)

☆حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اللہ عزّ وجلّ نے جب جنت کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا: ''کلام کر'' تو وہ بولی: ''جو مجھ میں داخل ہوگا وہ سعادت مند ہے''۔ تو اللہ عزّ وجلّ نے فرمایا: ''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! تجھ میں آٹھ قسم کے لوگ داخل نہ ہوں گے: شراب کا عادی، زنا پر اصرار کرنے والا، چغل خور، دیوث، (ظالم) سپاہی، ہجڑا اور رشتہ داری توڑنے والا اور وہ شخص جو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ فلاں کام ضرور کروں گا پھر وہ کام نہیں کرتا''۔

(اتحاف السادۃ المتقین، کتاب آفات اللسان، ج ۹، ص ۳۴۵،۳۴۶)

(بَحرُ الدُّمُوع ترجمہ بنام ''آنسوؤں کا دریا'' صفحہ ۲۳۰ مؤلف امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی الجوزی علیہ رحمۃ اللہ القوی المتوفی ۵۹۷ھ، ناشر مکتبۃ المدینہ باب المدینہ، کراچی)

☆حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے: ''(۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوث اور (۳) عورتوں کی شکل اختیار کرنے والے مرد''۔

(المستدرک، کتاب الایمان، باب ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ۔۔۔ الخ، الحدیث: ۲۵۲، ج ۱، ص ۲۵۲)

(اَلزَّوَاجِرُ عَنْ اِقْتِرَافِ الْکَبَائِر ترجمہ بنام ''جہنم میں لے جانے والے اعمال'' جلد اوّل صفحہ ۵۷ مؤلف شیخ الاسلام شہاب الدین امام احمد بن حجر المکی الھیتمی الشافعی علیہ رحمۃ اللہ القوی اَلْمُتَوَفّٰی ۹۷۴ھ ناشر: مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ، کراچی)

☆ امام احمد ونسائی وبزار وحاکم ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''تین شخصوں پر اللہ (عزّ وجلّ) نے جنت حرام کردی۔ شراب کی مداومت کرنے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا اور دیوث جو اپنے اہل میں بے حیائی کی بات دیکھے اور منع نہ کرے''۔ (مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمر، حدیث: ۵۳۷۲ جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)

(بہار شریعت حصہ نہم صفحہ ۳۸۷ ناشر: مکتبۃ المدینہ باب المدینہ، کراچی)

جو خاوند اپنی بیوی کی بے پردگی اور بے حیائی سے بے پرواہ رہے تو ایسا شخص دیوث ہے: مولوی عبداللہ روپڑی غیر مقلد غیر مقلدین کے مزعومہ مجتہد العصر مولوی عبداللہ روپڑی دیوث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کے تعلق والی بے پردگی کرے یا اس کو کوئی دوسرا بُری نظر سے دیکھے اور یہ بے پرواہ رہے تو ایسا شخص 'دیوث' کہلاتا ہے، جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا جو پانچ سو برس کے راستہ سے آتی ہے''۔

(لڑکی شادی کیوں کرتی ہے: صفحہ ۳۵ مطبوعہ مکتبہ تنظیم اہل حدیث رام گلی نمبر ۵ چوک دالگراں، لاہور)

احادیث کریمہ اور مولوی عبداللہ روپڑی کے مذکورہ بالا اقتباس کو بہ غور پڑھیں اور سطور ذیل میں آنے والے زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کے ''کارناموں'' کو ملاحظہ فرما کر خود فیصلہ کریں کہ نواب صاحب بحکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے نام نہاد غیر مقلد مجتہد کے فتوے کے مطابق ''دیوث'' اور ''جہنمی'' قرار پاتے ہیں یا نہیں؟

اب اپنے مقالے کے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں

بات کچھ یوں ہے کہ ریاست بھوپال کے نواب صاحب کا جب انتقال ہوا تو ان کی بیوہ اور ریاست بھوپال کے ملازم مولوی صدیق حسن خان کی شادی ہوگئی، اور یوں ''نواب'' ان کے نام کا لاحقہ ہوگیا، شادی کے بعد نواب صدیق حسن خان نے ریاست کے خرچ سے وہابیت کی خوب ترویج واشاعت کی اور اپنی کتب کو شائع کرکے اطراف عالم میں پھیلایا۔ آئندہ سطور میں نواب صاحب کی زوجہ کے بارے میں وہ حقائق پیش کیے جا رہے ہیں جن پر غیر مقلد مضمون نگار نے غالباً شرم ناک اور ناقابل بیان سمجھتے ہوئے پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا نائٹ گرینڈ کمانڈروں سے مصافحہ کرنا (ہاتھ ملانا):

(۱)نواب صدیق حسن بھوپالی کے صاحب زادے سید علی حسن غیر مقلد صاحب زوجہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے ایک محفل میں شرکت کا حال بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "مآثر صدیقی" میں لکھتے ہیں:

"انیس ضرب توپیں رئیسہ عالیہ کی سلامی کی سر ہوئیں۔ سیکریٹری صاحب اپنے ہمراہ رئیسۂ عالیہ کو ہر ایک نائٹ گرینڈ کمانڈر سے تعارف اور مصافحہ کراتے ہوئے میز کے قریب لے گئے"۔

(مآثر صدیقی، جلد دوم، صفحہ 102 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس اقتباس میں بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ

(۱)زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد وہابی کو 19 توپوں کی سلامی ہوئی

(۲)سلامی کے بعد نامحرم سیکریٹری صاحب نے زوجہ نواب صاحب کو ایک غیر محرم کمانڈروں سے تعارف اور مصافحہ کروایا (ہاتھ ملوایا)۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا انگریز کو نذر پیش کرنا، اس کے گلے میں ہار پہنانا اور اس سے ہاتھ ملانا:

(۲)"مآثر صدیقی" ہی میں ایک انگریز کا زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد سے اظہارِ محبت اور مصافحہ کرنا ملاحظہ کریں:

"مراسمِ نذر اور گفتگوئے رسمی وعُرفی کے بعد رئیسۂ عالیہ نے تاریخ ریاستِ بھُوپال کا ایک نسخہ بہ زبان انگریزی اور ایک نسخہ "شمع انجمن" مؤلفہ والا جاہ بہادر کا (جو شعرائے فارسی کا ایک جامع تذکرہ ہے) تحفۃً وائسرائے بہادر کی خدمت میں اپنے ہاتھ سے پیش کیا، اور فرمایا کہ یہ تذکرہ میرے شوہر نواب صاحب بہادر کا لکھا ہوا ہے۔ لارڈ صاحب بہادر ممدوح نے نہایت مسرّت کے ساتھ اُس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کرسی سے اُٹھ کر نواب والا جاہ بہادر کے پاس تشریف لائے اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ "میں اِس کتاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔ والا جاہ بہادر نے کہا کہ "میں بھی خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اِس ہدیۂ مُحقّر نے حُسنِ قبول کا صلہ پایا" ہز اکسیلنسی نے نہایت اشتیاق کے ساتھ دریافت کیا کہ اِس میں سعدی شیرازی کے اشعار بھی ہیں؟ پھر یہ سُن کر کہ اُس میں اُن کا تذکرہ اور منتخب اشعار بھی شامل ہیں نہایت محظوظ ہوئے۔ بعد تواضع عطر و پان کے رئیسۂ عالیہ نے پھولوں کی زرتار حمائل وائسرائے بہادر کے گلے میں پہنائی۔ لارڈ صاحب ممدوح نے (جو ایک نامور شاعر اور زبردست ناولسٹ تھے) فرمایا کہ "آپ نے مجھ کو سلسلۂ مہر و محبت کا اسیر بنالیا" یہ کہہ کر اور مصافحۂ رخصت کر کے گورنمنٹ ہوس کی جانب مراجعت فرمائی"۔

(مآثر صدیقی، حصہ دوم، صفحہ 120 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس واقعہ میں بیان ہے کہ زوجۂ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے

(۱)انگریز لارڈ کو نذر پیش کی۔

(۲)انگریز سے گفتگو کی۔

(۳)اپنے ہاتھ سے انگریز کو کتابیں پیش کیں۔

(۴)انگریز کو پھولوں کی حمائل اپنے ہاتھوں سے پہنائی۔

(۵)انگریز نے نواب صدیق کی موجودگی میں ان کی زوجہ سے اظہارِ محبت کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے مجھے اپنے "سلسلۂ مہر و محبت" کا اسیر بنالیا ہے

(۶)انگریز نے ملاقات کے اختتام پر زوجۂ نواب صدیق حسن سے مصافحہ کیا (ہاتھ ملایا)۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا وائسرائے ہند سے مصافحہ کرنا:

(۳)سید علی حسن صاحب ابن نواب صدیق حسن خان غیر مقلد صاحب اپنی امی جان کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

"رئیسۂ عالیہ پروگرام کے مطابق ٹھیک چار بجے گورنمنٹ ہوس (ہاؤس از ناقل) کے جانب روانہ ہوئیں۔ نواب والا جاہ بہادر، نواب ولیعہد صاحبہ، نواب نظیر الدولہ احمد علی خان بہادر مرحوم، میاں عالمگیر محمد خان صاحب اور کاتب الحروف ہمرکاب تھے، اسی دربار کے موقع پر رئیسۂ عالیہ نے میاں عالمگیر محمد خان صاحب، میاں صدر محمد خان صاحب مرحوم، میاں نور الحسن خان صاحب مرحوم اور کاتب الحروف کو تمغۂ طلائی جس پر اسم مبارک نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کا حرف "شین" منقوش ہے اپنے دست مبارک سے عطا فرمایا تھا۔ جب سواری ایوانِ گورنری کے زینہ تک پہنچی تو ہز اکسیلنسی کے فارین سیکریٹری اور ملٹری سیکریٹری صاحبان نے زینۂ پائیں تک استقبال کیا اور گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور ۱۹ / انیس فیر (فائر از ناقل) توپ کے سر ہوئے، لبِ فرش تک بذاتِ خاص وائسرائے ہند خود تشریف لائے اور مصافحہ کیا پھر والا جاہ بہادر سے ہاتھ ملایا اور نواب ولیعہد صاحبہ سے گفتگو کرتے رہے"۔

(مآثر صدیقی حصہ دوم صفحہ 141,142 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ

(۱) زوجۂ نواب صدیق حسن خان کو وائسرائے ہند نے گارڈ آف آنر اور انیس توپوں کے فائر سے سلامی دی۔

(۲) اس کے بعد نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد کی موجودگی میں اُن کی زوجہ سے پہلے ہاتھ ملایا اور اُن سے بعد میں۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا انگریز لارڈ ڈفرن کے پاس کلکتہ جانا اور وہاں ایک ماہ قیام کے بعد اپنے مطالبات منوا کر واپس آنا:

(۴) نواب سید علی حسن خان صاحب اپنی امی جان کا ایک اور واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''رئیسہ عالیہ نے غرۂ جمادی الثانی ۱۳۰۳ھ ہجری / ۱۸۸۶ء کو ہزا کسیلنسی لارڈ ڈفرن صاحب بہادر سے ملنے کے لیے سفر کلکتہ اختیار کیا، جب رئیسۂ عالیہ ورود فرمائے کلکتہ ہوئیں تو ہزا کسیلنسی کی جانب سے حسب معمول سکریٹری صاحب بہادر اور ایڈی کانگ صاحب بہادر نے استقبال کیا اور تمام وکمال مراسم اعزاز ادا کیے گئے۔ رئیسۂ عالیہ نے معاملات ریاست کے متعلق خریطۂ خط پیش کیا اور جو جو تکلیفیں اعداء کی سعایت اور حُکام بالا دست کے ہاتھوں سے پہنچی تھیں اُن کو بیان کیا اور زن وشوہر کے تعلقات میں جس بناء پر بے جا دست اندازی کی گئی تھی اس کی اصل حقیقت سے ویسرائے کو آگاہ کیا۔ ہزا کسیلنسی بہت ملاطفت کے ساتھ پیش آئے اور والا جاہ کو تاج محل پر رہنے کی اجازت عطا کی اور معاملات ریاست پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ رئیسۂ عالیہ ایک ماہ قیام فرما کر کلکتہ سے غرۂ رجب ۱۳۰۳ھ ہجری کو مع الخیر بھوپال میں رونق افروز ہوئیں''۔

(مآثر صدیقی حصہ سوم صفحہ 168,169 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) زوجۂ نواب صدیق حسن خان غیر مقلد صاحب نے انگریز کو ملنے اور قائل کرنے کے لیے کلکتہ کا سفر اختیار کیا۔

(۲) وہاں ایک ماہ میں انگریز نامحرم کافر کے پاس رہ کر اپنے مطالبات منوا کر واپس آئیں۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کو انگریز نے تمغہ پہنایا:

(۵) سید علی حسن خان غیر مقلد صاحب ایک اور شرم ناک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''سکریٹری صاحب نے فرمانِ شاہی ہزا کسیلنسی وائسرائے کے سامنے پیش کیا۔ صاحب محتشم الیہ نے عطائے خطاب وتمغہ کا ایما فرمایا، رئیسۂ عالیہ اُٹھ کر ہزا کسیلنسی کے تخت کے قریب گئیں۔ سکریٹری صاحب نے ادائے کورنش کے بعد میز سے تمغہ اُٹھا کر لارڈ صاحب بہادر ممدوح کے ہاتھ میں دیا اور لارڈ صاحب بہادر نے فرمانِ شاہی سکریٹری صاحب کو دیا انہوں نے فرمانِ شاہی لفظ بلفظ پڑھ کر اہل دربار کو سنایا۔ پھر رئیسۂ عالیہ کو میز کے قریب لے گئے۔ ہزا کسیلنسی کے ایماء کے مطابق سر رچرڈ ٹمپل صاحب بہادر نے تمغہ اپنے ہاتھ میں لیا اور سر ایڈورڈ رسل صاحب نے سکریٹری صاحب بہادر کے ہاتھ سے نشان اپنے ہاتھ میں لے لیا اور رئیسۂ عالیہ کو اسٹار آف انڈیا کا رُودب زیب تن کرا کے تخت کے سامنے لائے۔ رئیسۂ عالیہ نے سلام کیا اور لارڈ صاحب ممدوح نے تمغہ کا کالر اپنے ہاتھ سے رئیسۂ عالیہ کو پہنایا''۔

(مآثر صدیقی جلد دوم، صفحہ 101,102 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس واقعہ میں بیان ہے کہ

(۱) پہلے زوجۂ نواب صدیق حسن خان نامحرم کافر کے پاس گئیں۔

(۲) انگریز نامحرم زوجۂ نواب صاحب کو میز کے قریب لے گئے۔

(۳) انگریز نامحرم کافر لارڈ نے زوجۂ نواب صاحب کو تمغہ پہنایا۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا صدیق حسن بھوپالی کی موجودگی میں انگریز سے ہاتھ ملانا اور انگریز کو نذر پیش کرنا:

(۶) اسی ''مآثر صدیقی'' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''جنرل سر ہنری ڈیلی صاحب بہادر نے استقبال کیا اور رئیسۂ عالیہ کو بگھی سے اُتار کر بارگاہِ گورنری تک لے گئے، لارڈ صاحب ممدوح نے تعظیماً بارہ قدم تک آگے بڑھ کر رئیسۂ عالیہ اور نواب والا جاہ بہادر اور نواب ولی عہد صاحبہ سے مصافحہ کیا (ہاتھ ملایا از ناقل) اور اپنے دستِ راست کی جانب کرسی پر بٹھایا کچھ دیر تک حسنِ اخلاق اور کریمانہ اشفاق کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ رئیسۂ عالیہ نے کیسۂ اشرفی نذر دکھایا۔ ہزا کسیلنسی نے کُرسی سے اُٹھ کر اُس پر ہاتھ رکھا اور اپنے ہمراہ رئیسۂ عالیہ کو ایک پُرشکوہ بیرق کے سامنے لے جا کر علمِ شاہی کے مرتبۂ عظمت وجلالت سے آگاہ کیا''۔

(مآثر صدیقی، حصہ دوم، صفحہ 118,119 مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ)

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا کہ

(۱) نواب صدیق حسن خان صاحب کی موجودگی میں ان کی بیگم رئیسۂ بھوپال کو انگریز نامحرم کافر نے بگھی سے اُتارا۔

((۲ نواب صدیق حسن خان کی زوجہ سے ان کی موجودگی میں ہاتھ ملایا۔

(۳) پیار محبت سے باتیں کیں۔

(۴) رئیسۂ بھوپال نے اشرفیوں کی تھیلی انگریز کو بطورِ نذر پیش کی۔

(۵) انگریز زوجۂ نواب صدیق حسن کو اپنے ساتھ ایک بیرق میں لے گیا اور ان باتیں کیں۔

(۵) نواب صدیق حسن صاحب صاحب ان افعالِ قبیحہ سے راضی رہے۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا انگریزوں کو پان تقسیم کرنا اور پھولوں کے ہار پہنانا:

(۷) سید علی حسن صاحب اپنی امی جان کا ایک اور واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''رئیسۂ عالیہ نے اور تمام اہل دربار نے نذریں پیش کیں ہزاکسیلنسی وائسرائے نے اپنی مہربانی سے اُن کو معاف کیا اور دیر تک رئیسۂ عالیہ سے ہم کلام رہے، پھر رئیسہ عالیہ نے بمبئی سے روانگی کی اجازت طلب کی اور سورت اور احمد آباد کی سیر کی خواہش ظاہر فرمائی۔ اِس کے بعد رئیسۂ عالیہ نے اپنے دستِ خاص سے لارڈ صاحب بہادر ممدوح اور سیکریٹری صاحب اور دو ممبران کونسل اور دو صاحبان رزیڈنٹ بہادر سنٹرل انڈیا و راجپوتانہ کو عطر و پان تقسیم کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے کُل تیرہ (13) صاحبان عالی شان تشریف فرماتھے باقی صاحبان کو نواب والا جاہ بہادر نے عطر و پان تقسیم کیا''۔

(مآثر صدیقی، جلد دوم، صفحہ 103، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1924)

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوا کہ:

(۱) زوجۂ نواب صاحب نے انگریز کافر کو نذر پیش کی......

(۲) انگریز دیر تک ان سے ہم کلام رہا......

(۳) زوجۂ نواب صاحب نے نامحرم مَردوں کو عطر و پان تقسیم کیا......

(۴) نامحرموں کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے......

(۵) نواب صدیق حسن غیر مقلد صاحب کی موجودگی میں یہ تمام افعال ہوئے......

انگریزوں کو نذر پیش کرنے کے جتنے واقعات اس مقالہ میں پیش کیے گئے ہیں ان سب کے متعلق ہمارا استفسار ہے کہ:

زوجۂ نواب صاحب کی طرف سے انگریز کو پیش کی گئی نذر شرعی تھی یا عرفی؟ اگر نذر شرعی تھی تو غیر اللہ کے لیے اس کا جواز ثابت کیا جائے کیونکہ ہم تو اس کو غیر اللہ کے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ اور اگر نذرِ عرفی تھی تو زوجۂ نواب صدیق حسن وہابیہ اس (مزعومہ وہابی شرک) کی وجہ سے مشرکہ اور نواب صدیق حسن خان اس سے راضی ہو کر مشرک ہوئے یا نہیں؟ اگر غیر مقلدین ان کو مشرک کہنے سے انکاری ہوں تو اس بات کی وضاحت کریں کہ اہلِ سنت پر نذرِ اولیا کی وجہ سے شرک کے فتوے کیوں لگائے جاتے ہیں کیونکہ ہم بھی غیر اللہ کے لیے نذرِ عُرفی ہی کے قائل ہیں۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا غیر محرموں میں بیٹھنا:

(۸) ''مآثر صدیقی'' میں ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے:

''جس وقت رئیسۂ عالیہ نے بارگاہِ گورنری میں قدم رکھا گارڈ آف آنر نے باقاعدہ سلامی ادا کی اور رئیسۂ عالیہ نے اپنے نمبر کے مطابق کرسی پر جلوس فرمایا رئیسۂ عالیہ کی کرسی پولیٹیکل ایجنٹ بہادر کی کرسی کے بعد تھی اور اُن کی کرسی کے بعد بخشی محمد حسن خان کی کرسی تھی''۔

(مآثر صدیقی، جلد دوم، صفحہ 101، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1924)

مذکورہ بالا اقتباس سے پتہ چلا کہ غیر مقلد مضمون نگار اشرف جاوید نے جو قصیدہ نواب صدیق حسن کی زوجہ کا پڑھا وہ محض تک بندی اور خام خیالی ہے، ورنہ اُن کا مزاج غیر محرموں سے مصافحے کرنے، اُن کے بیچ بیٹھنے اور دیگر حیا سوز کاموں میں لطف محسوس کرتا تھا۔

زوجۂ نواب صدیق حسن غیر مقلد کا انگریز (پرنس آف ویلز) سے ملاقات کے لیے جانا اور تحائف کا تبادلہ کرنا:

(۹) اسی ''مآثر صدیقی'' سے کچھ مزید اقتباسات ملاحظہ کریں:

''بست و چہارم دسمبر کو رئیسۂ عالیہ پرنس ممدوح کی ملاقات کو تشریف لے گئیں پرنس ممدوح نے لبِ فرش تک استقبال کیا''۔

(مآثر صدیقی، جلد دوم، صفحہ 111، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور

لکھنؤ 1924)
کاش غیر مقلد سوانح نگار 'لبِ فرش تک استقبال'' کی تفصیل بھی لکھ دیتے۔ تو زوجۂ صدیق حسن خان کے شرعی پردے پر عمل آوری کے مزید واقعات سے پردہ اٹھ جاتا۔
اس کے کچھ سطر بعد لکھا کہ
''رئیسہ عالیہ اور ہزرائل ہائینس کے درمیان تحائفِ اتحاد کا باہم تبادلہ ہوا''۔
(مآثر صدیقی، جلد دوم، صفحہ 111، مطبوعہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ 1924)
تحائفِ اتحاد کیسے لیے اور دیے گئے تفصیل ندارد؟ لیکن بہر حال انگریز کافر سے ملنے کے لیے جانا اور تحائف کا تبادلہ کرنا غیر شرعی اور قابلِ مذمت ہے۔
اس مقالہ میں پیش کیے گئے اقتباسات سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ:
(۱) زوجۂ نواب صاحب غیر محرم کافر انگریزوں سے ملتیں......
(۲) ان سے ملاطفت سے گفتگو کرتیں......
(۳) ان کو تحائف دیتیں......
(۴) ان کو ہار پہناتیں......
(۵) ان کو اپنے ہاتھ سے پان دیتیں۔۔۔۔
(۶) ان سے ہاتھ ملاتیں (مصافحہ کرتیں)......
(۷) ان کے درمیان بلا جھجک بیٹھ جاتیں۔۔۔۔۔
(۸) ان سے ملنے کے لیے دور دراز کے سفر کرتیں۔۔۔
(۹) زوجۂ نواب صدیق حسن خان نے غیر محرم کافر کے محل پر اپنی بات ''منوانے'' کے لیے ایک ماہ قیام بھی کیا۔۔۔
(۱۰) ان کی جانب سے انگریزوں کو نذر پیش کی جاتی۔
(۱۱) انگریز نے زوجۂ صدیق حسن غیر مقلد سے محبت کا اظہار کیا۔
(۱۲) انگریز اپنے ہاتھ سے ان کو تمغہ پہناتے۔
(۱۳) نواب صدیق حسن خان اپنی زوجہ کے ان منافیٔ غیرت امور سے راضی تھے کیونکہ اکثر اوقات یہ افعالِ قبیحہ ان کی موجودگی میں ہوتے تھے اور وہ ان پر کوئی نکیر نہیں کرتے تھے۔
زوجۂ نواب صاحب کے وکیلِ صفائی سے چند سوالات
(۱) کیا اسلامی پردہ کرنے والی عورت کو نامحرموں سے ملنا، ان کے درمیان بیٹھنا، گفتگو کرنا، تحائف دینا، پان کھلانا، ہار پہنانا، ہاتھ ملانا جائز ہے؟
(۲) اگر جواب ہاں (اثبات) میں ہے تو کیا آپ اپنی ماں، بہن، بیٹی، بیوی کو بھی ان افعال کے بجالانے کی اجازت دیں گے؟
(۳) اگر جواب نفی میں ہے تو نواب صدیق حسن غیر مقلد صاحب ان غیر شرعی منافیٔ غیرت امور پر خاموش وساکت بلکہ مؤید کیوں رہے؟
(۴) جو شخص اپنی بیوی، بہن، بیٹی کے مندرجہ بالا حیاسوز کارناموں سے راضی رہے تو کیا ایسا شخص ''دیوث'' کہلائے گا یا نہیں؟
(۵) نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی زوجہ کے افعال کے مؤید ہو کر یقیناً ''دیوث'' قرار پاتے ہیں لہٰذا بتایا جائے کہ دیوث کو امام، محدث، مفسر بلکہ مجدد تک کہہ دینا (وہابی مذہب میں) جائز ہے یا ناجائز؟
(۶) کیا تاریخِ اسلام میں کوئی ایسا مجدد گذرا ہے جو وہابی مذہب کے مجدد نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی طرح دیوث بھی ہو؟
غیر مقلد اشرف جاوید صاحب سے گزارش ہے کہ اس مضمون میں درج تمام حوالہ جات اور سوالات کے مبنی بر انصاف جوابات دیں۔ وگرنہ انصاف پسند حضرات آپ کی طرف سے (مبنی بر انصاف) جواب نہ آنے پر یہی سمجھیں گے کہ وہابیت کو پروان چڑھانے کے لیے وہابی حضرات ''العروج بالفروج'' کے حیاسوز فارمولے کو استعمال کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

□□□

اتہاماتِ تنزیل الصدیقی الحسینی پر ایک نظر

پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری

نسبتِ خلافت، عقائد و نظریات اور اہل علم سے باہمی تعلقات کے تناظر میں

محمد احمد ترازی (کراچی)

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل واہ کرے کوئی

''الخطاب'' دراصل پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کی ایک یادگار تاریخی تقریر ہے، جو آپ نے ۲۹، دسمبر ۱۹۱۴ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اٹھائیسویں (۲۸) اجلاس منعقدہ راولپنڈی کے ساتویں سیشن میں کی۔ یہ تقریر پہلی بار ۱۹۱۵ء میں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے زیر انتظام کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ اکتوبر ۲۰۱۶ء میں سیّد صاحب کے محب جناب ظہور الدین امرتسری صاحب نے ادارہ پاکستان شناسی لاہور کے تحت اِس کی طبع جدید کا اہتمام کیا۔ اور کتاب میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام، اغراض و مقاصد، منعقدہ اجلاس میں منظور ہونے والی قرار دادیں و عکسی نوادرات کے ساتھ ''حیات مولانا سلیمان اشرف کی چند جھلکیاں'' از حکیم محمد خلیل احمد القادری الجائسی سابق ریڈر طبیہ کالج علی گڑھ اور خود ظہور الدین صاحب کے اپنے انتخاب ''مولانا سلیمان اشرف ایک بالغ نظر مصلح'' و ''پروفیسر سلیمان اشرف اکابرین ملت کی نظر میں'' جیسی مفید و معلوماتی تحاریر کو جگہ دی۔ ساتھ ہی اُنہوں نے ''سخن ہائے گفتنی'' کے عنوان سے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کا ایک قابل اعتراض مضمون بھی شامل کتاب کیا۔ جس میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ذات و کردار اور نسبتِ خلافتِ محدث بریلوی کے حوالے سے بہت سی خلاف واقعہ اور غلط باتیں منسوب کر کے قاری کو ذہنی و فکری خلفشار میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی۔

کاش! سیّد صاحب کے محب اور ''ادارۂ پاکستان شناسی بیاد مولانا سیّد سلیمان اشرف'' کے بانی ظہور الدین امرتسری صاحب مضمون کو شامل کتاب کرنے سے پہلے اُس کا بغور مطالعہ فرما کر اثرات و مضمرات کا جائزہ لے لیتے تو اُنہیں اندازہ ہو جاتا کہ صاحبِ مضمون نے ایک تیر سے دو شکار کرتے ہوئے کس خوبصورتی سے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی شخصیت اور کردار و عمل کو ہی متنازعہ نہیں بنایا بلکہ خود ظہور الدین امرتسری کو بھی وضاحتی کٹہرے میں کھڑا کر دیا ہے۔ خیر اپنی ذات سے منسوب سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتر جواب تو ظہور الدین صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے کردار و عمل کا معاملہ ہے، تو بہت ضروری تھا کہ اِس تاریخی خیانت اور علمی بددیانتی کا جائزہ لیا جائے اور صاحب مضمون کی خلافِ حقیقت اور گمراہ کن باتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی میں اُن کی درست تصویر عوام الناس کے سامنے پیش کی جائے۔ چنانچہ اِس جائزے سے قبل صاحبِ مضمون کا ایک مختصر سا تعارف پیش نظر کیا جاتا ہے تاکہ اصل صورتحال اور حقائق کے ادراک میں آسانی رہے۔

صاحبِ مضمون کا مختصر تعارف:

صاحبِ مضمون کا اصل نام محمد تنزیل ہے، مگر محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے قلمی نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۲۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو پیدا ہونے والے محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، غیر مقلد محمد احسن اللہ ڈیانوی عظیم آبادی (۱۹۹۵ء۔ ۱۹۲۱ء) کے صاحبزادے ہیں۔ خود بھی مسلکاً اہل حدیث (غیر مقلد) مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف کراچی سے شائع ہونے والے مجلہ ''الواقعہ'' کے مدیر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

''سخن ہائے گفتنی'' کے سنگین الزامات:

اِس مختصر تعارف کے بعد محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون ''سخن ہائے گفتنی'' کی طرف آتے ہیں جس میں وہ سیّد

صاحب کی نسبتِ خلافت محدثِ بریلوی کی نفی کرتے ہوئے اُن پر صلح کلی اور وسیع المشربی ہونے کا سنگین الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں

''اس غلط العام خیال کی تردید ضروری ہے کہ مولانا سلیمان اشرف، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تلمیذ وخلیفہ تھے۔ بعض اہل علم نے بربنائے عقیدت مولانا سلیمان اشرف کو فاضل بریلوی کے اَجلہ خلفاء میں محسوب کیا ہے۔ اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ مولانا سلیمان کو فاضل بریلوی سے شدید عقیدت تھی مگر یہ تعلق عقیدت و ارادت تلمذ وخلافت کی نسبت کے بغیر تھا۔ خود مولانا بریلوی نے ''ذکر احباب ودعاء احباب'' کے عنوان سے اپنے خلفاء کے ناموں کو منظوم کیا ہے جس میں اپنے چودہ (۱۴) اکابر خلفا کے نام درج کیے ہیں، اُن میں مولانا سلیمان کا نام شامل نہیں۔ اسی طرح جب مختلف حضرات نے خود کو مولانا بریلوی کا تلمیذ رشید وخلیفہ ارشد باور کرانا شروع کیا، تو مولانا بریلوی کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اِن جعلی خلفاؤں سے اظہار برأت کی جائے، لہٰذا اُنہوں نے ضروری اعلان کے تحت ایک اشتہار شائع کرایا جس میں اپنے پچاس (۵۰) خلفاء کے نام درج کیے، اُن میں بھی مولانا سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں۔ اگر مولانا سلیمان فاضل بریلوی کے خلیفہ ہوتے تو کیا ممکن تھا کہ انہیں نظر انداز کر دیا جاتا۔؟

مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس وتدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے انہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا، حتیٰ کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ''حیات وکارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ وخلافت کا دعویٰ کوئی نہیں کیا۔ مولانا کی وسیع المشربی نے انہیں ہر طبقے میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ اُن کے مراسم اپنے نقطہ نظر کے مخالف علما و اہل علم کے ساتھ خوشگوار تھے۔ مولانا کا دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے باوجود انہوں نے دوسرے مکاتیب فکر کے اہل علم کے ساتھ احترام کا رشتہ کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا...... مولانا اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑے جری وبیباک تھے۔ (اور) کسی مخالفت کی پروانہ کرتے تھے۔''(۱)

نسبتِ تلمذ وخلافتِ محدث بریلوی:

مندرجہ بالا اقتباس سے قاری کے ذہن میں سب سے پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف، محدث بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ نہیں ہیں۔ لوگوں نے اُنہیں عقیدت کی بناء پر منسوب کر دیا ہے۔ اِس بات کی دلیل میں موصوف فرماتے ہیں کہ خود محدث بریلوی نے اپنے جن خلفاء کا تذکرہ کیا ہے اُس میں اُن کا نام شامل نہیں ہے۔ جبکہ خود سیّد صاحب کے شاگرد اور معاصرین بھی اس بات کا کہیں اظہار کرتے نظر نہیں آتے۔ اور تو اور مولانا محمد علی اعظم خاں قادری کی سوانحی کتاب میں بھی اُن کی نسبت تلمذ وخلافت کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے۔

چنانچہ اِس حوالے سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ موصوف نے نسبتِ تلمذ اور خلافت کو ایک جگہ گڈمڈ کر کے دونوں کو غلط العام قرار دیا ہے۔ سمجھ نہیں آتا کہ وہ نسبتِ تلمذ کے انکاری ہیں یا خلافت کے۔ اگر دونوں کی تردید مقصود ہے تو دلائل بھی دونوں کے پیش کرنے چاہیے تھے۔ مگر جناب نے صرف ایک یعنی نفی خلافت کے دلائل پیش کیے، نفی تلمذ سے صرف نظر کیا۔ جبکہ تحقیق کی اخلاقیات اور دیانت داری کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو بھی نیا خیال، نکتہ یا واقعہ کہیں سے یا کسی سے اخذ کیا جائے یا جس ماخذ سے استفادہ کیا جائے، اُس کا مکمل حوالہ دیا جاتا تاکہ صاحبِ تحریر کے مطالعے کی وسعت، جستجو کی نوعیت اور دیانتداری کا ثبوت ملتا۔ مگر موصوف سے اس سے عمداً یا سہواً گریز کیا۔ جو اصول تحقیق کی روشنی میں ''دعویٰ بے سند'' نہیں تو اور کیا ہے۔

اِس مقام پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صاحب مضمون نے دانستہ یا نادانستہ تلمذ اور خلافت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ جو کہ ایک سنگین علمی لغزش ہے۔ اگر وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف محدث بریلوی کے شاگرد نہیں ہیں، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ یہ دعویٰ ہی کب کیا گیا کہ سیّد

سلیمان اشرف محدث بریلوی کے تلمیذ ہیں۔؟ کیونکہ ہماری معرفت کی حد تک کہیں بھی کسی معتبر حوالے میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ سیّد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ چنانچہ موصوف کی شرف تلمذ والی بات محض ''کرشمہ قیاس آرائی'' ہی قرار دی جاسکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ محدث بریلوی نے ''ذکر احباب ودعائے احباب'' میں اپنے جن چودہ (۱۴) خلفاء کا منظوم ذکر کیا ہے، اُس میں سید محمد سلیمان اشرف کا نام نہیں ہے۔ تو عرض ہے کہ خود محدث بریلوی نے ''استمداد'' کے صفحہ نمبر ۷۰ پر پہلے ہی یہ صراحت فرمادی ہے کہ شعر کی تنگ دامانی کی وجہ سے اسمائے احباب میں چھوٹے چھوٹے ناموں پر اقتصار کیا گیا ہے۔ اس لیے نظم یا جاری کردہ فہرست میں سیّد سلیمان اشرف کا نام درج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُنہیں خلافت حاصل نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ ''الاستمداد'' ۱۳۳۷ھ بمطابق ۱۹۱۸ء میں لکھی گئی۔ محدث بریلوی اِس کے بعد بھی تقریباً تین سال باحیات رہے۔ اور اُن کا انتقال ۲۵، صفر المظفر ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۸، اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ کیا اِس عرصے میں اُن کے خلفاء کی تعداد میں اضافے کا امکان نہیں۔؟ یقیناً ہے۔ اور اس کا ثبوت اشتہار ''ضروری اعلان'' میں درج پچاس (۵۰) خلفاء کے نام ہیں۔

خیال رہے کہ ''ضروری اعلان'' ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ کو ماہنامہ ''الرضا'' بریلی میں شائع ہوا۔ (۲) عیسوی کلینڈر کے اعتبار سے یہ دسمبر ۱۹۱۹ء کا سال ہے۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ''ضروری اعلان'' کا اشتہار ''استمداد'' کے بعد شائع ہوا۔ اور اِس اشتہار کی اشاعت کے بعد بھی محدث بریلوی کم وبیش دوسال حیات رہے۔ چنانچہ منظوم نظم ''استمداد'' اور ''ضروری اعلان'' کے اشتہار سے کسی طور بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس اعلان کے بعد محدث بریلوی نے کسی کو خلافت عطا نہیں فرمائی۔

پھر ضروری اعلان کے حوالے سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس اعلان کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جب کچھ افراد نے اپنے آپ کو محدث بریلوی کا خلیفہ بنا کر عوام الناس کے اعتماد کو مجروح کرنے کی کوشش کی تو اُس وقت جتنے خلفاء کے نام آپ کے ذہن میں آئے، آپ نے اُن کی ایک فہرست اور ''ضروری اعلان'' کے نام سے اشتہار میں اُن خلفاء کا مختصر تذکرہ کرکے اِس بات کی نشاندہی کردی کہ میرے خلفاء کون کون ہیں۔ ''آخر میں یہ بھی لکھا کہ جن کے نام یہاں لکھنے سے رہ گئے ہیں اُن کو آئندہ فہرست میں شامل کرلیا جائے گا۔'' (۳)

لیکن تنزیل الصدیقی نے اِس حقیقت کو دانستہ نظرانداز کرکے علمی خیانت کا ثبوت دیا اور سیاق وسباق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہوئے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ چونکہ ''ضروری اعلان'' میں سیّد سلیمان اشرف کا نام شامل نہیں، اِس لیے وہ محدث بریلوی کے خلیفہ نہیں ہیں۔ حالانکہ محدث بریلوی کی واضح صراحت موجود ہے کہ یہ فہرست ابھی نامکمل ہے اور بہت سے خلفاء کے نام رہ گئے ہیں۔ جبکہ خود محدث بریلوی نے اپنی دی ہوئی فہرست میں حرمین شریفین کے خلفاء کا تذکرہ نہیں کیا، جن کی تعداد کم وبیش اٹھائیس (۲۸) یا پینتیس (۳۵) کے قریب ہے۔

چنانچہ اس تناظر میں یہ دونوں فہرستیں حتمی نہیں کہی جاسکتیں۔ اِس لیے یہ کہنا کہ محدث بریلوی کے صرف چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء تھے، یا اِن چودہ (۱۴) یا پچاس (۵۰) خلفاء میں سیّد سلیمان اشرف کا نام درج نہیں، اس لیے وہ محدث بریلوی کے خلفاء میں شامل نہیں ہیں، قطعاً غلط قرار پاتا ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں لکھتے ہیں ''اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی صحیح تعداد کا تعین تو نہیں کیا جاسکتا، لیکن قرین قیاس سے یہ تعداد سو (۱۰۰) سے اوپر تجاوز کرتی ہے...... ہم یہ تعداد اسّی (۸۰) تک پہچانے میں کامیاب ہوئے...... پھر بھی تعداد کا صحیح تعین ممکن نہیں ہے۔'' (۴) کیونکہ محدث بریلوی کے خلفاء نہ صرف برصغیر پاک وہند سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ عرب وافریقہ کے بلاد میں بھی اُن کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔

ڈاکٹر مجید اللہ قادری اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳ پر لکھتے ہیں کہ ''اس تذکرہ میں ۸۰، خلفاء کا ذکر کیا جارہا ہے جن کے حالات وافکار وخدمات کا سراغ لگایا جاسکا، مگر ۲۵۔۳۰ سے زیادہ نام علم میں آئے ہیں کہ اُن کو اعلیٰ حضرت سے خلافت حاصل رہی، مگر اُن کے حالات یا تو قطعی میسر نہ ہوسکے اور اگر حالات میسر ہوئے بھی تو اُن کی خلافت پر شواہد زیادہ حاصل نہ ہوسکے، جس کی وجہ سے کئی اہم اور معروف شخصیات کو ان خلفاء میں شمار نہیں کیا جاسکا۔'' صفحہ ۱۴، پر مزید لکھتے ہیں کہ ''تذکرہ میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ ماخذ ومراجع مستند ہوں۔

چنانچہ جتنے بھی معروف ومستند تذکرے حاصل کیے جاسکتے

تھے، اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔'' اس احتیاط اور اہتمام کے بعد مرتبین محمد صادق قصوری اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے سیّد سلیمان اشرف کا تذکرہ شامل کتاب ہے، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ سیّد صاحب کی خلافت پر اُنہیں اطمینان بخش شواہد حاصل ہوئے ہیں۔

اسی طرح ''خلفائے محدث بریلوی'' از؛ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد میں ''لمعاتِ خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے عنوان سے مقدمہ میں محمد عبدالستار طاہر لکھتے ہیں کہ ''حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں بھی فاضل بریلوی کے بکثرت خلفاء ہیں۔'' آگے اسمائے گرامی کا ذکر کرتے ہوئے ''پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔'' (۵) جبکہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب بھی رئیس المتکلمین مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شامل فرماتے ہیں۔ (۶)

اس کے علاوہ ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' از؛ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' از؛ مولانا ظفرالدین بہاری ''امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں'' از؛ یٰسین اختر مصباحی ''امام احمد رضا اور اصلاحِ معاشرہ'' از؛ مولانا محمد قمرالزماں رضوی مصباحی ''سوانح اعلیٰ حضرت'' از؛ مولانا بدرالدین احمد رضوی اور ''سیرتِ امام احمد رضا'' از؛ مولانا اختر شاہجہاں پوری وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے خلفاء کی تعداد سو (۱۰۰) سے زائد ہے۔

جن میں سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب بھی شامل ہیں۔ اور بھی کئی مولفین نے سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ جیسے ''تذکرہ علمائے اہلسنّت'' از؛ مولانا محمود احمد قادری، ''باغی ہندوستان'' مرتبہ؛ عبدالشاہد خاں شروانی، ''تحریک پاکستان میں خلفائے امام احمد رضا خاں کا کردار'' پی ایچ ڈی مقالہ از؛ ڈاکٹر حسن امام، اور ''فتنوں کا ظہور اور اہلِ حق کا جہاد'' از؛ مولانا عبدالغفار اعظمی وغیرہ میں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کو محدثِ بریلوی کے خلفاء میں شمار کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ فتاویٰ رضویہ کی جلدوں میں محدثِ بریلوی کے نام پروفیسر سیّد سلیمان اشرف صاحب کے کئی خطوط استفتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ لیکن جلد ہشتم صفحہ ۱۰۸، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ لاہور، جون ۱۹۹۵ء، میں آرائشِ مسجد سے متعلق ایک استفتاء پر موجود یہ عبارت ''مسئلہ ۱۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ۱۳۳۲ھ۔'' بھی آپ کی محدث بریلوی سے نسبتِ خلافت کو ظاہر کرتی ہے۔

اِس مقام پر یہ تاریخی حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں مناظرہ بریلی کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد جیسے طلیق اللسان اور زبان آوری پر ناز رکھنے والے خطیب کے مقابلے پر پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا انتخاب کیا گیا۔ حالانکہ اُس وقت جماعت رضائے مصطفیٰ کے نامزد وفد میں مولانا حامد رضا خاں، مولانا نعیم الدین مرادآبادی

، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا ظفرالدین بہاری، مولانا برہان الحق جبلپوری، اور مولانا حسنین رضا خاں، جیسے محدثِ بریلوی کے اَجلہ خلفاء شامل تھے۔ مگر علمائے بریلی کے دینی و ملی موقف کی ترجمانی کا فریضہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو سونپا گیا۔ سیّد صاحب کی ذات پر یہ اعتماد و بھروسہ اُن کی دینی و فکری اصابت و استقامت اور حق گوئی و بیباکی کا ہی مظہر نہیں تھا، بلکہ محدثِ بریلوی کی انتہائی قربت و محبت اور نسبتِ خلافت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اِس کانفرنس میں آپ نے اِس خوبی سے علمائے حق اہلسنّت و جماعت کا موقف پیش فرمایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر ذمہ داران جمعیت علمائے ہند پر سکتہ طاری ہو گیا اور کسی سے کوئی معقول جواب نہ بن سکا۔ بقول مولانا نعیم الدین مرادآبادی ''میدان سلیمان اشرف کے ہاتھ رہا۔'' (۷) اور مولانا ابوالکلام آزاد کو تاریخی شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اِس تاریخی مناظرے میں آپ کی کامیابی کا بیان کرتے ہوئے ممتاز محقق اور دانشور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ ''مارچ ۱۹۲۱ء میں بریلی میں جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام کانفرنس میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے ہندوؤں کی جانب مولانا ابوالکلام آزاد کے میلان کو ہدف تنقید بنایا اور اُنہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ''موالات'' بھی ایسے ہی حرام ہے، جیسے انگریزوں کے ساتھ۔'' (۸)

اب رہا یہ اعتراض کہ ''مولانا نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جیسی مرکزی درسگاہ میں بیٹھ کر سالہا سال درس و تدریس کی ذمہ داریاں نبھائیں مگر اُن کے کسی شاگرد نے اور نہ ہی کسی معاصر نے اُنہیں مولانا بریلوی کی خلافت سے منسوب کیا۔'' مضمون نگار کی کم علمی پر دلالت کرتا ہے اور درج ذیل

حوالوں سے موصوف کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوجاتا ہے۔

سب سے پہلے سیّد سلیمان اشرف صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی، پنجاب پبلک لائبریری و ڈائریکٹر بیت القرآن لاہور کا حوالہ پیش خدمت ہے، ڈاکٹر عابد احمد علی لکھتے ہیں ''میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مولانا بریلوی عشق رسول ﷺ کے جذبے سے اِس حد تک سرشار تھے کہ اُس کے سامنے وہ ہر چیز کو ہیچ سمجھتے تھے اور میرا یہ تاثر اس لیے ہے کہ میں نے اپنے استاذ مولانا سلیمان اشرف کو بھی اِسی رنگ میں رنگا ہوا پایا جو کہ مولانا بریلوی کے خلفا میں تھے۔'' (۹) یہاں ڈاکٹر عابد احمد علی کے بیان سے ایک بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ محدث بریلوی اور اُن کے خلفاء بشمول پروفیسر سیّد سلیمان اشرف سب اپنے معتقدات اور ایمانیات کے معاملے میں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سیّد سلیمان اشرف کو محدث بریلوی کا خلیفہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''راقم الحروف کے استاد مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب تھے۔ وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلیفہ تھے۔'' (۱۰) یہی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنی کتاب ''شخصیات'' مطبوعہ زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۶۲، پر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف ''بریلوی مسلک کے تھے۔''

جناب ڈاکٹر عبدالباری، ریڈر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اِس حوالے سے اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ''آپ عارف باللہ مولانا نور محمد اصدقی دہلوی کے مرید بھی اور چشتی نظامی سلسلے سے منسلک تھے۔ آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ صحیح معنوں میں صاحب دل بزرگ بھی تھے۔ آپ کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے بھی خلافت حاصل تھی۔'' (۱۱)

آگے چل کر تنزیل الصدیقی الحسینی سیّد محمد سلیمان اشرف کی محدث بریلوی سے خلافت کی نفی کرتے ہوئے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ مولانا کے سوانح نگار محمد علی اعظم خاں قادری نے اپنی کتاب ''حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' میں مولانا بریلوی سے اُن کی عقیدت کا ذکر تو کیا مگر اُن سے نسبت تلمذ و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو اِس حوالے سے عرض ہے کہ مولانا محمد علی اعظم خاں قادری، ناظم مدرسہ شرف العلوم غریب نواز کولکاتہ، بھارت کی یہ کتاب رضوی کتاب گھر دہلی سے پہلی بار ۱۹۹۲ء اور دوبارہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوئی۔ جس میں فاضل مصنف نے سیّد صاحب کی حیات و خدمات کو ضبطِ تحریر میں لانے کی کوشش کی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

لیکن اِس کوشش کے دوران اُن سے کئی علمی کوتاہیاں بھی سرزد ہوئیں۔ جیسے صفحہ ۳۳ پر ''ایم، اے، او علی گڑھ کالج میں سیّد صاحب کا تقرر ۱۹۰۲ء میں ہوا۔'' درست نہیں، صحیح ۱۹۰۸ء/۱۹۰۹ء ہے۔ صفحہ ۳۶ پر، ''مولانا موصوف (سیّد سلیمان اشرف) پچاس برس تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منصب درس و تدریس پر فائز رہے۔'' جبکہ یہ مدت تیس برس تھی۔ صفحہ ۵۵ پر، ''علی گڑھ میں سیّد صاحب سے مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی کی ۱۹۲۰ء میں کی جانے والی ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے۔'' حالانکہ مفتی صاحب کا ۱۹۱۶ء میں انتقال ہوچکا تھا۔ تصنیفی ترتیب کے لحاظ سے ''الرشاد'' ۱۹۲۰ء میں اور ''النور'' ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ مگر محمد علی اعظم خاں قادری نے صفحہ ۲۶ پر ''النور'' کو پہلے اور ''ارشاد'' کو بعد میں لیا ہے۔ سیّد محمد سلیمان اشرف کی درست تاریخ وفات ۲۶، اپریل ۱۹۳۹ء ہے، جبکہ صفحہ ۷۷ پر، ''۲۷، اپریل ۱۹۳۹ء درج ہے۔''

اتنی اغلاط کے بعد ''حیات و کارنامے مولانا سلیمان اشرف بہاری'' کو جامع اور مستند سوانح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ درحقیقت یہ کتاب نقش اوّل ہے اور نقش اوّل میں ترمیم و تنسیخ اور مزید بہتری کی گنجائش خارج از امکان نہیں۔ ایسی صورت میں اگر محمد علی اعظم خاں قادری سیّد محمد سلیمان اشرف کی زندگی کے کسی پہلو کا ذکر کرنے سے چوک جاتے ہیں تو اِس کا یہ مطلب لینا کہ وہ پہلو سیّد صاحب کی زندگی کا حصہ نہیں، قطعاً غلط ہے۔ اگر تنزیل الصدیقی کے اِس اصول کو درست تسلیم کرلیا جائے کہ مولانا کے سوانح نگار نے سیّد صاحب کی محدث بریلوی سے نسبتِ خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ تو کتاب میں درج مندرجہ بالا اغلاط کو بھی درست تسلیم کرنا پڑے گا، جو کہ خلاف واقعہ ہوگا۔

لہٰذا تنزیل الصدیقی کا یہ خود ساختہ کلیہ کہ ''جو نہیں لکھا گیا وہ وقوع پزیر ہوا ہی نہیں۔ اور جو لکھا گیا بس وہی درست ہے۔'' نا صرف اُن کی فکری کجی کا آئینہ دار ہے بلکہ اصل تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے کیونکہ اِس اصول کی روشنی میں صرف سیّد صاحب کی سوانح پر ہی نہیں اور بھی سیرت و سوانحی کتب میں درج اور رہ جانے والے واقعات کی صحت پر بھی سوالات کھڑے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اِس تناظر میں موصوف کی دلیل

نہایت ہی کمزور اور خام خیالی کے زمرے میں آتی ہے۔

عقائد و نظریات اور اہل علم سے باہمی تعلقات:

جہاں تک پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی ہر دلعزیزی اور دیگر مکتبہ فکر کے افراد سے مراسم و تعلقات کا معاملہ ہے تو اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ پروفیسر صاحب ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ، ہم عصر علماء اور اہل علم و دانش میں یکساں مقبول تھے۔ ہر طبقۂ فکر کے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ دوسری طرف خود سیّد صاحب بھی اپنے نقطہ نظر کے مخالف اہل علم سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کے حلقہ احباب میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن مسلکاً آپ سے شدید اختلاف تھا۔ جیسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاد اور ناظم دینیات مولانا ابوبکر شیث۔ جن کا مسلک و عقیدہ ہی نہیں سیاسی تعلق (مولانا جمعیۃ العلماء کے رکن اور اُس کے اجلاس میں پابندی سے شرکت کرتے تھے) بھی سیّد سلیمان اشرف کے مسلک اور سیاسی نظریے سے قطعاً جدا تھا۔

لیکن اس کے باوجود وہ علمی اعتبار سے سیّد صاحب کی نظر میں "بے نظیر آدمی" تھے اور اُن کے مصاحبین میں شامل تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کے مطابق "بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بقول اُن کے کھاتہ کھلا ہوا تھا۔ خانقاہِ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابوبکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر، سیّد زین الدین صاحب تھے۔ باہر والوں میں مولوی ابوالحسن صاحب، سیّد بہاؤ الدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔" (۱۲)

دوسرے مکاتیبِ فکر کے اہل علم کے ساتھ سیّد صاحب کا یہ تعلق و رابطہ محض علمی فضل کی بناء پر تھا۔ مسلک اور عقیدے کی بنیاد پر نہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کے شاگرد حافظ غلام غوث صمدانی لکھتے ہیں۔ "مولانا صاحب علم کی وقعت خود بھی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اُس کی عزت کرنے کیلئے کہتے تھے۔" (۱۳) جبکہ آپ کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، صفحہ ۱۳۰ پر یہی بات کچھ اس انداز سے لکھتے ہیں کہ "وہ کسی کے علم و دولت کے آگے جھکنا جانتے ہی نہ تھے لیکن اہل فضل و کمال کی بڑی قدر کرتے تھے۔"

لہٰذا سیّد سلیمان اشرف صاحب کی اِس وسعت قلبی کو علم دوستی اور اہل علم کی قدر و منزلت کا نام دیا جاسکتا ہے جو کہ مسلم یونیورسٹی میں اُن کے منصب کا تقاضہ اور علی گڑھ کے علمی و ادبی ماحول کا خاصہ تھا۔ اِس علم دوست رواداری رویئے کو سلامت روی اور وسیع المشربی سے تعبیر کرنا اور اِس بنیاد پر سیّد صاحب کو صلح کلیت کا حامی قرار دینا جہاں صریحاً دروغ گوئی اور علمی بد دیانتی پر مبنی ہے، وہیں یہ تاریخی حقائق کو مسخ کرکے اُن کی ذات و کردار کو متنازعہ بنانے کی بھی ایک ایسی مذموم کوشش ہے، جس کا مقصد شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کو جنم دے کر سیّد محمد سلمان اشرف بہاری کے کردار و عمل کو مشکوک بنانا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اِس مقام پر سیّد محمد سلیمان اشرف کے معتقدات اور اہل علم سے باہمی روابط کے ضمن میں بھی کچھ تاریخی حوالوں کا مختصراً جائزہ لیا جائے اور دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیا منظر نامہ پیش کررہے ہیں۔

سیّد سلیمان ندوی، سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصروں میں سے ہیں۔ سیّد صاحب کے انتقال پر اُنہوں نے ایک مضمون لکھا جو ماہنامہ "معارف" علی گڑھ میں شائع ہوا۔ اِس مضمون میں سیّد سلیمان ندوی، سیّد صاحب کی سیرت و کردار کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کے مذہبی اعتقادات کو یوں بیان کرتے ہیں "اُن کے مذہبی خیالات علمائے بریلی کے مطابق تھے اور اُن (محدث بریلوی) کے بڑے مداح تھے۔ پھر بھی اُن کی ملاقات اور میل جول ہر خیال کے لوگوں سے تھا۔" (۱۴)

نواب مشتاق احمد خاں بھی سیّد محمد سلیمان اشرف کے ہم عصر ہیں، آپ سیّد صاحب کے مذہبی رجحانات اور معتقدات کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ "مولانا اپنے مذہبی عقائد میں بڑے پکے تھے اور اُن کا اظہار بڑے بیباکانہ طریقے سے کرتے تھے۔ اسلام کے ناموس کی حفاظت کیلئے وہ ہر وقت آمادۂ جہاد رہتے تھے۔" (۱۵) یعنی

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

صرف یہی نہیں، بلکہ سیّد صاحب اپنے مذہبی معتقدات میں بڑے متصلّب تھے اور جب مذہبی گفتگو ہوتی تو جلال میں آجاتے۔ چنانچہ اُن کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر رشید احمد صدیقی اُن کے اِس جذبہ ایمانی کے بارے میں لکھتے ہیں "میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہیں پایا...... مرعوب ہونا جانتے ہی نہ

تھے۔ کسی کے علم سے نہ کسی کی دولت سے۔ نہ کسی کے اقتدار سے۔ مذہبی عقائد میں کٹر، سلوک میں بے لوث، جو جتنا چھوٹا ہوتا اُس سے اُتنی ہی فروتنی سے ملتے۔ بڑا ہوتا تو اُس سے کہیں اور بڑا ہو کر ملتے۔ علم کا وقار اُن کے دم سے تھا...... مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کھلم کھلا اُن کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے...... علم و مذہب پر گفتگو کرتے کرتے ہوئے اکثر جلال میں آجاتے۔ لیکن اس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم و مذہب کے بل پر یا اُن کے ناموس کی حفاظت پر آمادۂ جہاد ہیں۔ (مگر اُس میں) تکبر یا تبختر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔'' (۱۶)

یہ بھی درست ہے کہ سیّد سلیمان اشرف محدثِ بریلوی سے گہری محبت و عقیدت رکھتے تھے اور اُن کی تعلیمات و معتقدات سے بڑے متاثر تھے۔ چنانچہ سیّد صاحب کی محدثِ بریلوی سے محبت و عقیدت کو بیان کرتے ہوئے اُن کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی لکھتے ہیں ''وہ اپنے معتقدات اور ایمانیات میں منطقی استدلال اور علومِ عقلیہ میں خوش کلامی اور قوتِ بیان میں حضرت مولانا (محدث بریلوی) کے انداز اور کیفیات کو اپنا چکے تھے۔ غیر اسلامی شعار کی مذمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہمنوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت گیر رویہ، مشرکین کو نجس سمجھنا اور اُن کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت روا نہ رکھنا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔'' (۱۷)

عظیم آباد کی تہذیبی داستان کے مصنف سیّد بدر الدین احمد کہتے ہیں کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب ''اپنے معتقدات کے اظہار میں ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ اُن کو اپنے علم اور اپنے ایمان پر کلی اعتماد تھا۔ وہ شک و تشکیک کی منزلوں سے دور ایمان و یقین کی منزلوں میں ہمیشہ رہتے رہے۔ اُن کی ہندوستان کے صاحبانِ علم و فضل سے برابر کی دوستی تھی مگر جہاں اُن علماء میں سے کسی کو لغزش کرتے دیکھتے تو بلا رعایت ٹوک بھی دیتے۔'' (۱۸)

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ڈاکٹر عبد الباری سیّد سلیمان اشرف صاحب کے حوالے سے اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''میں نے مرحوم کو جھجھک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔ جرأت و بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہیں تھا۔'' (۱۹) یہی ڈاکٹر عبد الباری پروفیسر محمد زبیر (ڈائریکٹر پاکستان اسکول آف لائبریرین) کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں ''مولانا اپنے نظریات و خیالات کے اظہار میں شمشیر برہنہ تھے۔ ہر موقع پر بڑی اور چھوٹی شخصیت کے سامنے سچی اور صحیح بات کو بلا تکلف اور برملا کہہ دیتے تھے۔ اُن کی شخصیت میں سنجیدگی، خودداری اور اصول پسندی بڑی انفرادی اور نرالی شان رکھتی تھی۔ اُن کے تبحر علمی پر جلال و جمال کے اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جنھیں موصوف کا مزاج شناس ہی چھو سکتا ہے۔'' (۲۰) ''وہ اپنے دینی مسلک اور دینوی معاملات میں اپنے پسندیدہ اُصولوں سے ذرّہ برابر بھی سر کنارہ نہ رکھتے تھے۔'' (۲۱)

جناب پروفیسر طلحہ رضوی برق کے مطابق ''مولانا سیّد سلیمان اشرف حنفی المذہب، سنّی اور اپنے عقائد میں بہت سخت تھے۔ اُنہیں حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے ایک خاص لگاؤ اور گہری عقیدت و محبت تھی۔ (۲۲) جس کا اندازہ ''حیات صدر الشریعہ'' میں درج اِس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ محدثِ بریلوی کے وصال کے بعد ''چہلم کے موقع پر جب مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ سے آئے تو فرمانے لگے پہلے جب میں کبھی بریلی آتا تھا اور محلہ سوداگراں کی گلی میں گھستا تھا تو وہیں سے مجھے ایک کیفیت محسوس ہوتی تھی جس کا اثر قلب و دماغ پر ہوتا اور دل اُس کیفیت سے لطف اندوز ہوتا۔ آج جو اِس گلی میں آیا ہوں تو وہ کیفیت نہیں پاتا ہوں، آج حالت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ خود ہم لوگوں کو آنے جانے میں اِس قسم کا فرق محسوس ہوتا ہے۔ نمازوں میں جو کیفیت ہوا کرتی تھی وہ نہیں ہوتی۔ باوجودیکہ اعلیٰ حضرت نہیں پڑھاتے تھے مگر چونکہ اُن کی شرکت رہتی تھی اِس وجہ سے وہ بہت پُر کیف ہوتی تھیں اور دور دور سے لوگ اِس کیلئے جاتے تھے جس کا صرف مقصد یہ ہوتا تھا کہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔ (۲۳)

حقیقت یہ ہے کہ ''آپ (سیّد سلیمان اشرف) سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت کے بلند پایہ مفکر و مدبّر عالم دین تھے۔ عقائد و معمولات اہلسنّت کے مکمل پابند ہی نہیں بلکہ اُن کے داعی و مبلغ و

ترجمان بھی تھے۔ دینی وفکری اصابت واستقامت اور حق گوئی آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔‘‘ (۲۴) پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف اپنے معتقدات کے اظہار میں پرُ اعتماد اور حق بات کہنے والے ’’مذہباً حنفی اور مشرباً چشتی نظامی‘‘ (۲۵) بزرگ تھے۔ وہ محدث بریلوی سے محبت وعقیدت نہیں خلافت واجازت بھی رکھتے تھے۔ اور اُن کا ’’دینی وسیاسی مسلک مولانا احمد رضا بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔‘‘ (۲۶) جس پر وہ زندگی بھر سختی کے ساتھ گامزن رہے۔

اِس کے باوجود پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف کا زندگی بھر یہ طرزِ عمل رہا کہ ہمیشہ اُن کلمات کو دہرانے سے اجتناب برتا جن سے بدمزگی اور مزید پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ سیّد صاحب نے کبھی بھی خود سے کسی بحث ومباحثہ میں الجھنے اور مناظرہ کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ اور اپنے شدید ترین مخالفین اور مناظرے ومباحلے کی دعوت دینے والوں سے بھی یہ کہہ کر حتیٰ الامکان گریز کیا کرتے تھے کہ ’’الحمدللہ کہ ساری عمر اس سے محفوظ رہا ہوں۔ آپ تین سو یا تین ہزار یا تین لاکھ اعتراض رکھتے ہوں، تو بسم اللہ بصد شوق لکھیئے، چھاپیئے، تقسیم کیجئے۔ اپنی ذہانت وذکاوت اپنے تبحر علم وفضل کا خراجِ تحسین وصول فرمایئے، فقیر سے مخاطب ہونا فضول ہے۔ آئندہ اِس قسم کی تحریروں کا جواب محض سکوت ہوگا۔ ہاں آپ کو اختیارِ کامل ہے کہ فقیر کے سکوت کو جن الفاظ وعبارات میں چاہیں اخبارات میں بھیجیں، جرائد میں شائع فرمائیں، نہ اس کا گلہ، نہ شکوہ۔‘‘ (۲۷)

چنانچہ ذیل میں حافظ غلام غوث صمدانی صاحب کا بیان کیا ہوا واقعہ اُن کے اِسی طرزِ عمل کا عکاس کہ آپ نہ صرف خود اپنے مخالفین سے الجھنے اور بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرتے تھے بلکہ اپنے محبین کو بھی اِس عمل سے روکتے تھے۔ دیکھئے حافظ صاحب لکھتے ہیں ’’مرزا ابراہیم بیگ اپنے اخبار سرگزشت میں ہر ہفتہ ’’نقش سلیمانی‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون لکھتے جس میں مولانا (سیّد سلیمان اشرف) پر خوب لے دے کی جاتی۔ مولانا کے معتقدین میں سے ایک صاحب نے مولانا سے اجازت چاہی کہ اِس بکواس کا جواب دیا جائے، مگر مولانا نے منع فرمادیا اور کہا تلوار کی جنگ ہو یا قلم کی، بہادروں سے لڑی جاتی ہے، بیسواں سے نہیں۔ یہ خبر مرزا صاحب تک کسی نے پہنچادی اُس کے بعد سے ’’نقش سلیمانی‘‘ ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔‘‘ (۲۸)

قارئین محترم! مندرجہ بالا حوالوں سے پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے ایمانی معتقدات اور دینی وسیاسی مسلکی وابستگی کی مکمل وضاحت ہوجاتی ہے۔ جہاں تک اُن کے دیگر مکتبۂ فکر کے اہل علم ودانش کے ساتھ تعلقات کا معاملہ ہے تو یہ بات طے ہے کہ سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے روابط بہت وسیع تھے۔ بقول علامہ اقبال

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

’’مرحوم کی ایسوں ایسوں سے بھی گہری دوستی تھی جن کو دین ومذہب سے دور کا بھی سروکار نہیں (تھا) اور ایسوں سے بھی تھی جو اپنے وقت کے بڑے جید عالم دین سمجھے جاتے تھے۔ ہر شخص محبت واحترام کے جذبات لے کر آتا تھا اور مطمئن ومسرور واپس جاتا۔ جس سے طبیعت نہ ملتی کبھی اُس کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ مرحوم کی صحبتوں میں بیٹھ سکے۔ مرحوم اس معاملے میں بڑے کھرے تھے، کبھی دنیا سازی کی خاطر کسی کی تالیفِ قلب نہ کی۔‘‘ (۲۹)

سیّد سلیمان اشرف کے ایک اور شاگرد مولانا ابرار حسین فاروقی فرماتے ہیں ’’مولانائے ممدوح کے تعلقات وروابط اپنے معاصرین سے خواہ وہ کسی مذہب وملت کے ہوں اور حکام دار العلوم سے ہمیشہ خوشگوار رہے۔‘‘ (۳۰)

سید بدرالدین احمد ’’عظیم آباد کی تہذیبی داستان میں رقمطراز ہیں کہ ’’مولانا اگرچہ علی گڑھ کالج میں دینیات کے پروفیسر تھے مگر پوری یونیورسٹی پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ سب سے الگ رہتے تھے مگر لوگ اُن کو اپنے سے الگ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہیں نہیں جاتے تھے، مگر اُن کے یہاں معمولی حیثیت کے لوگ بھی، بڑے بڑے تعلقدار بھی، علماء اور فضلاء بھی، سیاسی رہنمایان بھی اور اعلیٰ حکام بھی آتے تھے۔ مولانا سب سے بڑے اخلاق سے ملتے اور اپنی صحبت میں اس بات کو نمایاں طور پر ملحوظ رکھتے کہ مساوات واخلاق کے ترازو کا پلہ کسی سے ملنے میں کم وبیش نہ ہو۔

وہ حق بین تھے مصلحت بین نہ تھے۔ اِسی لیے حق کے مقابلے میں مصلحت اندیشی کو برابر بُرا سمجھتے رہے۔ اُن کی یہی حق بینی اور حق پسندی یونیورسٹی سے باہر اور یونیورسٹی کے اندر ہر معرکے میں اُن کی

کامیابی کی دلیلیں تھیں۔ اُن کو اپنے پرانے عقائد اور اپنے اُصولوں پر اعتماد کلی تھا...... اُن کے شناسا اور اُن سے ملنے والے ہزاروں تھے۔ مگر اُن کی ہر ایک سے دوستی نہ تھی۔'' (۳۱)

قارئین محترم! یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ متذکرہ چند حوالے جو کہ عینی شاہدین کے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں، کو مدنظر رکھتے ہوئے سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کے مذہبی معمولات، روایات اور اُصول و معتقدات کی جو تصویر بنتی ہے، اُس کے مطابق سیّد سلیمان اشرف صاحب ایک راسخ العقیدہ سنّی حنفی مسلمان تھے۔ محدث بریلوی کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کا دینی و سیاسی مسلک محدث بریلوی کے مسلک کے مطابق تھا۔ اپنے عقیدے و نظریے کے اظہار میں جری و بیباک تھے۔ اُنہیں کسی سے ڈرنا، جھجکنا اور گول مول باتیں کرنا سخت ناپسند تھا۔ غیر اسلامی شعار اور اسلام دشمنوں کی حمایتیوں کے سخت مخالف تھے۔ کفار و مشرکین سے کسی قسم کی مداہنت روا رکھنے کے قائل نہیں تھے۔ اور وہ شک و تشکیک کے بجائے ہمیشہ ایمان و یقین کی راہوں کے مسافر رہے۔ اُن کے دیگر مکاتیب فکر کے افراد سے باہمی روابط و تعلقات کے حوالے سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

خلاصہ کلام:

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تنزیل الصدیقی کے مضمون کے مندرجہ بالا پیراگراف کے آخری حصے میں کہی گئی بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ موصوف ایک طرف تو سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں بڑا جری و بیباک اور کسی مخالفت کا پروانہ کرنے والا مجاہد قرار دیتے ہوئے اُن کی اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن دوسری جانب خود ہی سیّد صاحب کا دینی و سیاسی مسلک مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک کے مطابق قرار دیتے ہوئے انہیں وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کی دونوں باتیں باہم متصادم اور ایک دوسرے کی نفی کرتی ہیں۔

جناب کی بات سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنے نقطہ نظر کے اظہار میں جری و بیباک اور کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرنے والا ہو۔ جو معتقدات میں کٹر و متصلب ہو اور ساتھ ہی وہ اپنے مسلک میں شدت سے وابستگی کے ساتھ اپنا دینی و سیاسی مسلک محدث بریلوی کے مسلک کے مطابق رکھتا ہو، اور اُنہی کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ کیسے سلامت روی، وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی ہوسکتا ہے۔؟ کیا محدث بریلوی کے ساتھ عقیدت و محبت اور شدت سے وابستگی رکھنے والوں میں ایسی کوئی اچھوتی مثال نظر آتی ہے۔؟

چنانچہ موصوف کی بات کو قبول کرنے سے پہلے دیکھنا ہوگا کہ اُن کے اِس طرز استدلال کا، تاریخی حوالہ کیا ہے۔؟ کیا ہم عصر علماء و مشائخ، شاگرد اور عینی شاہدین کے بیانات جو کہ ذاتی مشاہدات پر مبنی ہوں، میں ایسی کوئی روایت موجود ہے۔؟ ماسوائے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کے۔ جو مولانا زوّار حسین شاہ (دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے) کے بہت معتقد و مرید تھے اور خود ڈاکٹر صاحب کا اپنا رجحان بھی اسی جانب تھا۔ ہماری معرفت کے مطابق ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں پہلے راوی ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب کے بارے میں لکھا کہ ''مولانا گو بریلوی مسلک کے تھے لیکن آج کل کے بریلوی حضرات کی طرح شدت نہیں برتتے تھے۔ وہ ہمیشہ مولانا ابوبکر شیث جونپوری کے پیچھے نماز ادا کرتے جو دیوبندی تھے۔'' (۳۲)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اِس بات کا تاریخی ثبوت کیا ہے۔؟ کیا اُن کی اِس بات کی تائید و توثیق کسی اور ہم عصر حوالے سے ہوتی ہے۔؟ اگر نہیں ہوتی، تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی بات میں کسی مسلکی حسد و عناد کا عنصر کارفرما تو نہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے دانستہ سیّد سلیمان اشرف کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہو۔؟

دستیاب شواہد بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں سب سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے سیّد سلیمان اشرف صاحب کی مذہبی رواداری کی بات کی۔ اور اُن کی پیروی کرتے ہوئے غیر مقلد (اہلحدیث) مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے تنزیل الصدیقی الحسینی نے اِس بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے سیّد صاحب کو نہ صرف وسیع المشربی اور صلح کلی ثابت کرنے کی کوشش کی بلکہ محدث بریلوی سے حاصل خلافت و اجازت کے حوالے سے بھی کئی نئے شوشے چھوڑے۔ جو کہ صریحاً

خلاف حقیقت اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کی طرح اُن کے مذہبی اور مسلکی رجحان اور جھکاؤ کا شاخسانہ معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس تضاد بیانی یا مذہبی تعصب و مخاصمت پر کسی تبصرے سے گریز کرتے ہوئے یہاں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ مذہبی معتقدات اور باہمی معاملات و تعلقات دو علیحدہ علیحدہ عمل ہیں۔ جن کے درمیان فرق کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مذہبی معمولات، روایات اور اصول و معتقدات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہتے ہوئے بھی اپنے سے مخالف اعتقاد رکھنے والے فرد یا افراد کے ساتھ سیاسی، سماجی اور معاشرتی تعلقات قائم رکھتا ہے، یا زندگی کے کسی حصے میں حصول علم کیلئے رجوع کرتا ہے تو اِس کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ وسیع المشربی اور صلح کلیت کا حامی ہے۔

ویسے بھی سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب کی کتاب زندگی گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی اپنے معتقدات پر سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ زندگی بھر اِس اصول پر عمل پیرا رہے کہ "اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسرے کو چھیڑو مت۔ اگر کوئی چھیڑے تو پھر اُسے چھوڑو مت۔" اِس بات کی گواہی سیّد سلیمان ندوی "یادِ رفتگاں" کے صفحہ ۱۹۰، پر دیتے ہوئے لکھتے ہیں "وہ کسی سے مناظرہ نہیں کرتے تھے اور جب کرتے تھے تو گتھ جاتے تھے۔" سیّد سلیمان ندوی کے خیالات اور دیگر ہم عصروں کی آراء کے علاوہ سیّد صاحب کے شاگرد ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی و پروفیسر رشید احمد صدیقی، پروفیسر محمد زبیر، ڈاکٹر طلحہ رضوی اور حافظ غلام غوث صمدانی وغیرہ کی تحاریر گواہ ہیں کہ سیّد سلیمان اشرف کے مذہبی معتقدات کیا تھے۔ لہٰذا ؎

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

اِس کے باوجود اگر اُن کے دیگر مکتبہ فکر کے افراد کے ساتھ تعلقات تھے تو اُس کی بنیادی وجہ علم و فضل کا احترام تھا اور اُن کے یہ باہمی تعلقات اسی جذبے کے تحت تھے۔ اور انہوں نے ہمیشہ اپنے معتقدات کی بناء پر مذہبی مخاصمت اور تنگ نظری سے گریز کرتے ہوئے ایک مہذب اور علم دوست انسان ہونے کا ثبوت دیا۔

اِس حقیقت کو اچھی جاننے کے باوجود تنزیل الصدیقی الحسنی نے دیدہ و دانستہ معتقدات اور باہمی معاملات کو آپس میں گڈ مڈ کرتے ہوئے سیّد صاحب پر وسیع المشربی اور صلح کلیت کا بہتان لگایا اور ساتھ ہی محدث بریلوی سے حاصل اُن کی خلافت پر بھی سوال کھڑا کیا۔ جس کا پس پردہ مقصد عوام الناس اور سیّد صاحب کے محبین کے ذہنوں میں غلط فہمی اور شکوک و شبہات کی فضا پیدا کر کے اُن کی ذات کو مشکوک بنانے کے سوا اور کچھ نہیں لگتا۔ چنانچہ اس تناظر میں تنزیل الصدیقی صاحب کا یہ طرز عمل نہ صرف دیانتدارانہ تحقیقی کے تقاضوں کے خلاف ہے بلکہ دینی و شرعی اُصولوں کے بھی صریحاً منافی ہے۔

آخر میں یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ تاریخ میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محدث بریلوی کے ماننے والے اور اُن کے خلفاء بالخصوص پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری کبھی بھی وسیع المشربی اور صلح کلیت کے حامی رہے ہوں یا انہوں نے کسی گستاخِ رسول اور مخالفین دین و ملت سے باہمی تعلقات میں لحاظ و مروّت اور محبت و رواداری کا مظاہرہ کر کے دین اسلام کے متعین کردہ اصول و قواعد سے انحراف کیا ہو۔ تمام خلفائے محدث بریلوی اور پروفیسر سیّد سلیمان اشرف بہاری کا طرز عمل تو یہ تھا کہ "اُس دورِ پرفتن میں جب کہ ہر طرف سے اسلام پر اور خصوصاً ائمہ تقلید اربعہ پر یلغار ہو رہی تھی اور نام نہاد علماء کا ایک طبقہ مقامِ مصطفی ﷺ کو نعوذ باللہ گھٹانے کی فکر میں صبح و شام مصروف عمل تھا۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف بلا کم و کاست اور بغیر مصلحت نہ صرف اُن کے خلاف سینہ سپر تھے، بلکہ فقہ حنفی کے متصلّب پیروکار بھی تھے۔" (۳۳) اور اُن کا طرز زندگی علامہ اقبال کے اِس شعر کی مصداق تھا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ظہور الدین امرتسری صاحب سے ایک گزارش:

آخر میں جناب ظہور الدین امرتسری صاحب (جو پاکستان میں سیّد سلیمان اشرف کے چاہنے والے اور "سلیمان شناسی" کی روایت کے بانی ہیں) سے صرف اتنی گزارش ہے کہ کسی ایسے شخص کی تحریر، جو اپنے مذہبی اور سیاسی معتقدات میں سیّد سلیمان اشرف یا کسی اور اکابر سے اختلاف رکھتا ہو، کو شامل کتاب کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھیں کہ صاحب مضمون نے انصاف اور دیانت داری سے کام لیا ہے یا نہیں۔ اُس نے کہیں اپنے کسی بغض و عداوت اور مذہبی مخاصمت کے پیش نظر کتاب اور صاحب کتاب کی شخصیت اور کردار و عمل کو متازعہ بنانے کی کوشش تو نہیں کی۔

اگر محترم ظہورالدین صاحب تنزیل الصدیقی الحسینی کے مضمون ''سخن ہائے گفتنی'' کو ''الخطاب'' میں شامل کرنے سے پہلے اُس کے سیاق وسباق اور مرتب ہونے والے اثرات ومضمرات کو پیش نظر رکھ لیتے تو یقیناً اس قسم کی صورتحال جنم نہ لیتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ظہورالدین صاحب آئندہ محتاط اور ذمہ دارانہ رویئے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اِس قسم کی کوتاہی سے لازمی بچیں جس سے اُن کی نہ صرف اپنی زندگی بھر کی محنت اور نیک نامی پر بھی حرف آتا ہو، بلکہ دوسروں کو بھی چیں بہ جبیں نکتہ چینی کا موقع ملتا ہو۔

❁❁❁

حوالہ جات:

(۱) دیکھئے مضمون ''سخن ہائے گفتنی'' مشمولہ الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص:۸۰۔ ۷۳

(۲) ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، کلیاتِ مکاتیب رضا، جلد دوم، مکتبہ بحر العلوم گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۵ء، ص:۳۳۶

(۳) محمد صادق قصوری، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء، ص:۸

(۴) ایضاً ص:۴۔ ۳

(۵) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، خلفائے محدث بریلوی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ۱۹۹۸ء، ص:۱۱۔ ۱۳

(۶) عبدالحکیم شرف قادری، خلفاء امام احمد رضا، مرتبہ محمد عبدالستار طاہر، مکتبہ شمس و قمر لاہور، اگست ۲۰۱۱ء، ص:۹۹

(۷) محمد جلال الدین قادری، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبہ رضویہ، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص:۱۸۱

(۸) ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، مضمون ''دوقومی نظریہ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' بحوالہ انٹرنیٹ (http://www.alahazratnetwork.org/modules/worksonalahazrat/item.php?itemid=78)

(۹) ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا، حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء ص:۶

(۱۰) ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، بھولی ہوئی کہانیاں، مطبوعہ گابا ایجوکیشنل بکس کراچی، ۱۹۹۵ء، ص:۵۱

(۱۱) ڈاکٹر عبدالباری، مضمون ''مولانا سیّد سلیمان اشرف'' ناموران علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم'' سہ ماہی فکر ونظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء، ص:۴۷

(۱۲) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷، ص:۵۵

(۱۳) حافظ غلام غوث صمدانی، مضمون ''مولانا سیّد سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات'' سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء۔ ص:۸۴

(۱۴) سیّد سلیمان ندوی، شذرات، معارف اعظم گڑھ جون ۱۹۳۹ء، ص:۴۰۲، یاد رفتگاں، سیّد سلیمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی ۲۰۰۲ء، ص:۱۹۰

(۱۵) مضمون، نواب مشتاق احمد خان، ضیائے حرم لاہور، جون ۱۹۷۷ء، ص:۹۳

(۱۶) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص:۵۹۔ ۵۵۔ ۳۴۔ ۲۶

(۱۷) ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مقالات یوم رضا حصہ سوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۶۔ ۵

(۱۸) سیّد بدرالدین احمد، حقیقت بھی کہانی بھی (عظیم آباد کی تہذیبی داستان)، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ ۲۰۰۳ء، ص ۳۳۱

(۱۹) ڈاکٹر عبدالباری، مضمون ''مولانا سیّد سلیمان اشرف'' ناموران علی گڑھ، تیسرا کارواں جلد دوم'' سہ ماہی فکر ونظر خصوصی شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء ص:۴۸

(۲۰) ایضاً ص:۴۸

(۲۱) پروفیسر محمد زبیر، ماہنامہ معارف کراچی، ۱۹۹۲ء، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص:۱۵

(۲۲) نقد و نجش، دانا پور بہار، ص:۱۲۳۔ ۱۲۳، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص:۳۴

(۲۳) مفتی عبدالمنان اعظمی، حیات صدر الشریعہ، رضا اکیڈمی لاہور، جون ۲۰۰۱ء، ص:۱۰۴

(۲۴) مولانا یٰسین اختر مصباحی، سالانہ روشنی، ویشالی ۲۰۱۵ء کا مدارس نمبر ص:۲۸۸، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص:۳۵

(۲۵) محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلسنّت، کانپور ۱۳۹۱ھ، ص:۱۰۱

(۲۶) محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، مضمون ''سخن ہائے گفتنی'' مشمولہ الخطاب، ادارہ پاکستان شناسی لاہور، طبع جدید اکتوبر ۲۰۱۶ء، ص:۷۵

(۲۷) مکتوب بنام مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب بدایونی، البیان، مطبوعہ وکٹوریہ پریس بدایوں۔ ۱۹۲۱ء، ص:۴۷

(۲۸) حافظ غلام غوث، مضمون ''مولانا سیّد سلیمان اشرف اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن شروانی کے تعلقات'' سہ ماہی العلم کراچی، جلد ۲۳، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء۔ ص:۸۴

(۲۹) پروفیسر رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، کتابی دنیا لمیٹیڈ، دہلی، جنوری ۱۹۴۷ء، ص:۲۷

(۳۰) معارف اعظم گڑھ، فروری ۱۹۷۵ء، جلد ۱۱۵، ص:۱۲۵

(۳۱) سیّد بدرالدین احمد، عظیم آباد کی تہذیبی داستان، بہار اردو اکیڈمی پٹنہ، ۲۰۰۳ء، ص:۳۳۲

(۳۲) شخصیات، مرتبہ سید عزیز الرحمان، زوار اکیڈمی کراچی، فروری ۲۰۰۹ء، ص:۶۲

(۳۳) خواجہ رضی حیدر، تذکرہ محدث سورتی، ممبئی ص:۲۴۶۔ ۲۴۵، مشمولہ علامہ سیّد سلیمان اشرف اہل علم کی نظر میں، از: محمد طفیل احمد مصباحی، جنوری ۲۰۱۷ء، ص:۳۸

□□□

قوم میمن اور دینی خدمات

مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

ہندو پاک میں مسلمانوں کا سب سے متمول طبقہ ''قوم میمن'' ہے۔ یہ تجارت پیشہ قوم ہے اور ہندو پاک کے اکثر بڑے شہروں میں آباد ہے۔ میمن قوم کے آبا و اجداد نے ۱۱/ ربیع الثانی ۸۳۱ھ کو حضرت سیدنا غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک کے ایک بزرگ حضرت سید احمد شہاب الدین جیلانی قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا تھا، اس لیے یہ قوم حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حد درجہ عقیدت و محبت رکھتی ہے اور اسی نسبت کے سبب قوم میمن کی بڑی اکثریت مسلک اہل سنت و جماعت سے وابستہ ہے۔ اس قوم کے قلوب و اذہان، محبت اولیائے کرام سے معمور ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد کو عشق مصطفوی سے سرشار اور احکام شرعیہ کا پابند پایا۔ یہ لوگ اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اور دولت و ثروت کی کثرت و فراوانی کے باوجود اسلامی طرز معاشرت کو پسند کرتے ہیں، بلکہ قوم میمن کے بہت سے افراد کے چہروں پر داڑھی کی سنت سجی ہوتی ہے، ان کا لباس بھی مغربی طرز کا نہیں ہوتا۔ علما و مشائخ اور دینی شخصیات کا ادب و احترام اور تعظیم و توقیر بھی اس قوم کے مشہور اوصاف میں سے ہے۔ عروس البلاد ممبئی میں سنیت کے فروغ و استحکام میں اس قوم کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ دیگر بلاد و امصار میں بھی ان کی دینی و ملی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اب جبکہ مسلمانوں کا سب سے مالدار طبقہ مذہب اہل سنت و جماعت سے منسلک ہے تو ہندو پاک میں ان کے مالی تعاون کے سبب مذہب اہل سنت کو سب سے زیادہ فروغ ملنا چاہئے، لیکن کسی سبب سے ایسا نہ ہو سکا۔ حالانکہ یہ حقیقت، علما و مشائخ سے پوشیدہ نہیں کہ قوم میمن ہمیشہ علمائے اہل سنت و جماعت کے قریب رہی ہے۔ بہر کیف کم از کم آج بھی دونوں طبقہ تعاون باہمی سے مذہب اہل سنت و جماعت کی ترویج و تبلیغ اور فروغ و ارتقا کی جانب پیش قدمی کریں، تا کہ تلافی مافات ہو سکے۔ ورنہ بدمذہبیت کا سیلاب اسلامیان ہندو پاک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ عملی اقدام کے لیے عمدہ تدابیر بروئے کار لائی جائیں۔

فروغ مذہب و ملت کے بے شمار ذرائع و وسائل ہیں، لیکن آج تک علمائے اہل سنت کی پرواز فکر مدارس کی تعمیر سے آگے نہ بڑھ سکی۔ مدارس میں بھی کچھ جدت نہیں، بلکہ قدیم طرز پر رواں دواں ہیں، جبکہ اہل باطل نوع بہ نوع طریقوں سے عوام اہل سنت کو فریب میں مبتلا کرنے کے لیے جہد پیہم کر رہے ہیں۔ سلفیت و دیوبندیت اور قادیانیت و مودودیت کے حملے روز بروز تیز ہوتے جا رہے ہیں اور ہمیں کچھ فکر ہی نہیں۔ کچھ بھی کرنے کے لیے فکری قوت کے ساتھ مادی وسائل کا بھی ہونا لازم ہے۔ ہند میں ارباب تسنن، قوم میمن کو اس جانب راغب کریں اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ دین و سنیت کے فروغ و ارتقا کی کوشش کریں، اسی طرح قوم میمن سے بھی خاص توجہ کی گذارش کی جاتی ہے۔ ماضی قریب میں حضرت علامہ نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ربط و تعلق، قوم میمن سے، بہت قوی تھا۔ اس لئے انہیں کی زبانی قوم میمن کی داستان ایمانی رقم کی جاتی ہے۔

خطیب مشرق پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی (۱۹۲۲ء-۱۹۹۰ء) نے فرمایا۔ ''کاٹھیاواڑ کی میمن قوم جو بہت ہی مخلص، بہت ہی مخیر، دیندار اور خوش عقیدہ ہے۔ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ بت پرست قوم تھی۔ ایک بار ان کا قافلہ کسی مندر کی پوجا کے لیے جا رہا تھا۔ اتفاق سے درمیان میں ایک دریا حائل ہو گیا۔

ان لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ کشتی مل جائے تو جائیں۔ حسن اتفاق ہی کہئے، وہیں کہیں سیدی سرکار غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد سے کوئی بزرگ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے قافلے سے دریافت فرمایا۔ تم لوگ جاتے کیوں نہیں ہو؟ اہل قافلہ نے جواب دیا۔ آخر ہم کیسے جائیں؟ بیچ میں دریا حائل ہے۔ کشتی بھی نہیں، اس کے علاوہ اور کوئی سادھن بھی نہیں۔ خدا کی طرف سے ہدایت ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی۔ آپ کو ان کے حال زار پر ترس آیا۔ فرمایا۔ اگر وہ مندر یہیں آ جائے تو؟ قافلے نے ایک زبان ہو کر کہا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تم لوگ آنکھیں بند کر لو۔ فرمایا۔ اب آنکھیں کھول دو۔ آنکھیں جیسے ہی کھولا، مندر کو سامنے پایا۔ آپ نے طنزاً کہا۔ اس کی پوجا کرو۔ اب اسلام کے لیے ان کے دلوں کا دروازہ کھل چکا تھا۔ پورے قافلے نے کہا۔ اب تم کو پوجیں یا مندر کو، جس کی انگلیوں کے اشارے سے مندر ڈول رہا ہے۔ اب اسے کیوں کر پوجا جائے۔ لہٰذا اب آپ ہمیں مشرف باسلام کیجئے، مگر ہماری دو شرطیں ہیں۔ (۱) اولاً ہم میں حسن ہو۔ (۲) دوم، دولت۔ آپ نے دعا مانگی اور خدا نے عطا فرما دیا۔ چنانچہ میمن قوم میں حسن و دولت، دونوں ہیں''۔ (خطبات نظامی ص ۲۳۲، ۲۳۳۔ قادری کتاب گھر بریلی شریف)

قوم میمن کی جانب سے حضرت سید احمد شہاب الدین قادری جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں پیش کردہ اقرار نامہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ اقرار نامہ فارسی زبان میں مرقوم ہے اور قوم میمن کا دستخط گجراتی زبان میں تھا۔ یہ اقرار نامہ میمن قبائل کے یہاں آج تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا آیا ہے۔ میمن قوم اس اقرار نامہ کو بحفاظت تمام مابعد نسلوں کے سپرد کرنے کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو دین و دنیا کے حسنات و برکات کا ذریعہ اعتقاد کرتی ہے۔ یہ اقرار نامہ میمن قوم کے بعض افراد کے توسط سے مجھے دستیاب ہوا۔

اقوام میمنی سے اولین مشرف باسلام ہونے والوں کے نام

مانک جی داس: ان کے دو بھائی تھے (۱) سندر جی (۲) کانجی۔ مانک جی کا اسلامی نام آدم اور ان کے بڑے فرزند کنور جی کا نام احمد اور چھوٹے فرزند بھوج راج جی کا نام غلام محمد۔ مانک جی کے بھائی سندر جی کا عبداللہ اور ان کے بڑے فرزند وہن راج کا غلام علی اور چھوٹے فرزند سوم جی کا غلام محی الدین اور چھوٹے بھائی کانجی کا عبد اللطیف اور ان کے فرزند ست رام جی کا غلام حیدر رکھا گیا۔ قوم لہانہ کے دو دھرم گرو اسلام قبول کئے (۱) چتر بھوج جی (۲) ریوا داہن۔ چتر بھوج جی کا نام عبدالاحد اور ان کے فرزند شنکر لال کا غلام احمد رکھا گیا (۲) گرو ریوا داہن کا نام عبدالواحد اور ان کے فرزند رو جی کا نام غلام حسن رکھا گیا۔ ان دونوں گرو کے ہونہار چیلے نارائن جی کا نام غلام حسین رکھا گیا۔ یہ دونوں گرو اور اس کا چیلا مانک جی داس یعنی میمنی آدم سیٹھ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔

اقرار نامہ قوم میمنی بر تختی برنجی در بدین (ملک سندھ)

سلالہ خاندان مصطفوی، نقارۂ دودمان مرتضوی، ہادی گم گشتگان، رہنمائے مریدان، پوست نشین غوث محی الدین سید احمد شہاب الدین جیلانی قادری ہمیشہ برفرق ما ظل تو قائم باد۔

قبلہ گاہا! بعنایت خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وبکرم غوث الاعظم دستگیر قدس سرہ الاقدس وخاص بنظر فیض تو از دنس کفر و رجس شرک بردست اقدس تو توبہ کردہ مشرف باسلام ومقلد بمذہب ابوحنیفہ ومنسلک بسلسلہ قادریہ شدہ ملقب بہ میمنی گشتیم۔

شاہا! ما دستخط کنندگان ذیل منجانب کل جماعت میمنی رقم کردہ پیش کش تو می کنیم کہ از امروز تا روز محشر ہر ہر فرد از جماعت میمنی غلام تو و اولاد و اولاد اولاد و خاندان تو ہست۔ اگر کسے از اولاد ما و اولاد اولاد ما از تو و از اولاد و اولاد اولاد و خاندان تو اباء و دور و منحرف و روگرداں شود، آں از نسل ما نیست۔ برایں اقرار خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم را گواہ می سازیم۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔ زیادہ حد ادب۔ روز دوشنبہ یازدہم ربیع الثانی شریف ۸۳۱ھ ہجری

غلام از غلامان تو میمنی آدم، میمنی عبداللہ، میمنی عبداللطیف، میمنی عبدالاحد، میمنی عبدالواحد، میمنی صلاح الدین، میمنی کرم اللہ، میمنی طیب، میمنی محمد جعفر (گجراتی میں)

(ترجمہ) میمن قوم کا اقرار نامہ پیتل کی تختی پر بمقام بدین (ملک سندھ)

خلاصہ خاندان مصطفوی، نقارۂ دودمان مرتضوی، ہادی گم گشتگان، رہنمائے مریدان، سجادہ نشین حضرت غوث محی الدین جیلانی سید احمد شہاب الدین جیلانی قادری، ہمارے سروں پر آپ کا

سایہ ہمیشہ قائم رہے۔اے ہمارے قبلہ! خداعزوجل اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت اور حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ کے کرم اور خاص آپ کی نگاہ فیض سے ہم لوگ کفر کی آلودگیوں اور شرک کی نجاستوں سے آپ کے مقدس ہاتھ پر توبہ کر کے مشرف باسلام اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد اور سلسلہ عالیہ قادریہ سے منسلک ہوکر ''میمنی'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

اے ہمارے آقا! ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندگان تمام میمنی جماعت کی جانب سے آپ کی بارگاہ میں تحریر پیش کرتے ہیں کہ آج کے دن سے حشر کے دن تک میمنی جماعت کا ہر ہر فرد آپ کا، آپ کی اولاد کا اور اولاد کی اولاد اور آپ کے خاندان کا غلام ہے۔اگر ہماری اولاد یا اولاد کی اولاد کا کوئی فرد آپ سے اور آپ کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور آپ کے خاندان سے انکار، دور، منحرف اور روگردانی کرے تو وہ ہماری نسل سے نہیں ہے۔اس اقرار پر ہم خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں۔گر قبول ہوتو کیا ہی عزت و مرتبہ ہو۔زیادہ حدادب۔بروز پیر گیارہ ربیع الثانی ۱۳۱ھ ہجری۔

توضیح: اقرارنامہ کے عنوان میں مستعمل لفظ ''بدین'' کی وضاحت مجھے میسر نہ ہوسکی۔ میں نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے ایک گاؤں سمجھ کر ترجمہ کر دیا۔ممکن ہے کہ ''ب'' کا اضافہ کاتب نے کر دیا ہو، اور اصل عبارت ''دردین'' ہو۔اگر کسی صاحب کو صحیح اطلاع ہوتو میری رہنمائی فرمائیں، تاکہ اصل حقیقت واضح ہوسکے۔

میمن قبائل کے نام

(۱) مانکانی (۲) بھٹڑے (۳) کانجیانی (۴) جونسانی (۵) صابوانی (۶) گھگھڑے (۷) وانکانی (۸) کھیٹ (۹) دھیان (۱۰) گلرے (۱۱) گلریئے (۱۲) کملانی (۱۳) وٹاؤ (۱۴) ھیندانی (۱۵) دھیدے (۱۶) جھندے (۱۷) بکالی (۱۸) ہانائی (۱۹) پڑیئے (۲۰) آکبانی (۲۱) سریئے (۲۲) گایئے (۲۳) کاٹھیارے (۲۴) چھینائی (۲۵) کاگڑے (۲۶) کھلسائی (۲۷) پچمار (۲۸) کپایئے (۲۹) منشی (۳۰) دنیانی (۳۱) وچھات (۳۲) مچھیارے (۳۳) بٹلر (۳۴) جھنڈے (۳۵) دھمڑے (۳۶) دھنئے (۳۷) پسو (۳۸) آڑیئے (۳۹) پربھئے (۴۰) کیسانی (۴۱) لوے (۴۲) وین (۴۳) بدھے (۴۴) جعفرانی (۴۵) پٹے والے (۴۶) جانکھڑے (۴۷) ماپارے (۴۸) لاکھانی (۴۹) نورانی (۵۰) کادوانی (۵۱) لکتانی۔

ذیلی قبائل کی مذکورہ بالا فہرست بتا رہی ہے کہ قوم میمن ایک کثیر القبائل جماعت ہے۔قبول اسلام کے وقت ہی اس قوم کو ''میمن'' کا لقب دیا گیا، جیسا کہ اقرار نامہ میں اس کی صراحت مرقوم ہے۔آج تک ہندو پاک میں یہ قوم اسی نام سے متعارف ومشہور ہے۔مجموعی طور پر قوم میمن بلند اخلاق، وسیع الظرف، سخی قلب اور متحمل مزاج واقع ہوئی ہے۔اس قوم کے دین وایمان کی حفاظت کی جائے اور ان کے پاس موجود مادی وسائل کے ذریعہ مذہب ومسلک کے تحفظ کا سامان کیا جائے۔غفلت شعاری ہمارے لیے مضر ثابت ہورہی ہے۔

ساؤتھ کرناٹکا خصوصاً شہر بھٹکل (ضلع کاروار) اور اس کے اطراف واکناف میں نوائطی قوم آباد ہے۔یہ بھی انتہائی متمول قوم ہے۔آج سے پچاس سال قبل نوائطی قوم مذہب اہل سنت وجماعت کے پیروکار تھی۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری (۱۸۵٦ء-۱۹۲۱ء) کے شاگرد رشید مفتی مذاہب اربعہ حضرت شیخ احمد کویا شالیاتی شافعی ملیباری (۱۳۰۲ھ-۱۳۷۴ھ) شہر بھٹکل میں دعوت وارشاد اور تبلیغ دین وسنیت کی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔کسی طرح بھٹکل میں ابوالحسن ندوی (۱۹۱۴ء-۱۹۹۹ء) ناظم ندوۃ العلما (لکھنو) کا قدم پہونچا۔اب وہاں کے بچے تعلیم وتربیت کے لیے ندوہ (لکھنو) جانے لگے۔جب وہ طلبا فارغ ہوکر آئے تو وہابیت ودیوبندیت کی تبلیغ شروع ہوئی، رفتہ رفتہ نوائطی قوم کی اکثریت بدمذہب ہوگئی اور شہر بھٹکل ساؤتھ کرناٹکا میں وہابیت ودیوبندیت کا مرکز بن گیا، حالانکہ چند دہائیاں قبل شہر بھٹکل اہل سنت وجماعت کا مرکز تھا۔آج قوم نوائط کی دولت وثروت، بدمذہبیت کے فروغ کے لیے استعمال ہورہی ہے۔تنظیمی، تعلیمی، تعمیری، اشاعتی اور مختلف قسم کے کارنامے تبلیغ وہابیت کے لیے انجام پارہے ہیں۔احباب اہل سنت نے اپنا دائرۂ کار جلسہ وجلوس تک محدود کررکھا ہے، دیگر امور کی جانب کچھ توجہ نہیں۔تاریخی شہادتوں کے اعتبار سے بنو نوائط ایک عربی قبیلہ ہے جو حجاج بن یوسف ثقفی کے ظلم وستم کے سبب عرب سے ہجرت کر کے وارد ہند ہوا۔

مخدوم ماہم علی بن احمد مہائمی (۷٦۶ھ-۸۳۵ھ) اسی قبیلہ کے فرد فرید ہیں۔ان کا روضہ مبارکہ ممبئی میں ''ماہم درگاہ'' کے نام سے

مشہور ہے۔ مخدوم ماہم ایک صاحب تصنیف بزرگ تھے، ان کی بعض تصانیف مطبوعہ بھی ہیں۔ قوم نوائط فقہی اعتبار سے شافعی المسلک ہے اور ساؤتھ کرناٹکا یعنی ضلع منگلور، اڈپی، کاروار اور مہاراشٹر کے کوکن علاقہ میں آباد ہے۔ بھٹکل میں ایک عظیم صاحب تصرف بزرگ قطب بھٹکل حضرت مخدوم فقیہ اسماعیل سکری علیہ الرحمۃ والرضوان (م۹۴۹ھ) کا مقبرہ ایک مشہور و بافیض زیارت گاہ ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم ابومحمد سکری (م۹۲۹ھ) کا مقبرہ بھٹکل سے قریب قصبہ مرڈیشور میں مرجع خلائق ہے۔ قوم نوائط کے چند نوجوان سنی علما خاص کر عزیزم مولانا فیضان رضا بھٹکلی اور ان کے احباب فروغ سنیت کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

ریاست بہار میں شہزادۂ غوث اعظم جیلانی، فاتح بہار و حاکم بہار حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی (الشہید ۷۵۳ھ) سپہ سالار اعلیٰ افواج شاہی سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند (م۷۵۲ھ) کی اولاد امجاد جو "خانوادہ ملک" کے نام سے ایک متعارف و مشہور قوم ہے۔ شاہی خاندان ہونے کے سبب متمول اور صاحب حیثیت بھی ہے۔ بہت سی زمین و جائیداد اور جاگیریں ان کے پاس آج بھی موجود ہیں۔ دینی و دنیاوی علم و فضل میں بھی دیگر اقوام پر فوقیت رکھتی ہے۔ سلطنت مغلیہ کے صدر الصدور، مجدد صدی دوازدہم، صاحب سلم العلوم و مسلم الثبوت حضرت علامہ قاضی محب اللہ بہاری (م۱۱۱۹ھ)، شاگرد اعلیٰحضرت، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین محدث بہاری (۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء)، برطانوی گورنمنٹ کے عہد میں بہار کے اولین وزیر اعلیٰ بیرسٹر محمد یونس (۱۸۸۴ء-۱۹۵۲ء: مدت وزارت علیا: ۳/ماہ، یکم اپریل ۱۹۳۷ء تا ۳۰/جون ۱۹۳۷ء، پارٹی: مسلم انڈپنڈنٹ پارٹی)، سیف المجاہدین حضرت مولانا عبدالشکور شمسی شہید گیاوی (م۱۹۸۷ء)، توقیر عرب تنویر عجم پروفیسر مختار الدین آرزو سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۹۱۷ء - ۲۰۱۰ء)، سراج ملت حضرت علامہ سید سراج اظہر نوری سربراہ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت (ممبئی) اسی خانوادہ کے ماہ و نجوم ہیں۔ حضرت علامہ ڈاکٹر حسن رضا خاں (پٹنہ) نے تحریر فرمایا کہ خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (۱۹۲۲ء-۱۹۹۰ء) بھی اسی قوم کے نامور فرزند تھے۔ اس قوم کی اکثریت پٹنہ، جہان آباد، گیا، نوادہ، مونگیر، نالندہ وغیرہ میں آباد ہے۔ بہت سے لوگ تقسیم ہند کے وقت پاکستان جا بسے۔ پاکستان کے مشہور کرکٹر مسٹر سلیم ملک اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

قوم ملک کو امارت شرعیہ (پٹنہ) نے اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا۔ اب اس قوم کی اکثریت، وہابیت و دیوبندیت سے منسلک ہے اور قوم ملک کی دولت و ثروت سے بدمذہبیت فروغ پا رہی ہے۔ مسٹر محمد یونس نے اپنی سیاسی پارٹی "مسلم انڈپنڈنٹ پارٹی" {Muslim Independent Party} سال ۱۹۳۶ء میں تشکیل دی، اور امارت شرعیہ (پٹنہ) کے بانی قاضی سجاد سے بھی اس میں سیاسی تعاون لیا۔ مسٹر یونس کے سبب خاندان ملک رفتہ رفتہ امارت شرعیہ سے قریب ہوتا گیا۔ چونکہ یہ صاحب ثروت لوگ تھے، اس لیے امارت شرعیہ نے بھی انہیں اپنے قریب کرنا شروع کیا اور بہت سے بچوں کو دینی تعلیم کے لیے دیوبند میں داخل کر دیا۔ اس طرح قوم ملک پر بدمذہبیت مسلط ہوگئی۔ آج خانوادہ ملک کے پنچانوے فیصد افراد یا اس سے بھی زائد بدمذہبیت کے شکار ہیں۔ قوم میمن اس لیے مذہب اہل سنت کی جانب راغب ہے کہ ان کے مورثین نے شہزادۂ غوث اعظم کے دست اقدس پر ایمان قبول کیا تھا اور قوم ملک حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آل واولاد ہو کر بھی بدمذہبیت میں ڈوبی ہے، فیاللعجب۔

ہمیں نگاہیں اٹھا کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے، پھر عملی اقدام کی کوشش کی جائے۔ مذکورہ بالا خاندانوں کا تذکرہ محض اس لیے ہوا کہ ان خانوادوں کے اکثر افراد صاحب دولت و ثروت ہیں۔ اسی طرح دیگر خاندانوں میں بھی بہت سے ارباب ثروت موجود ہیں اور مذہب و ملت کے لیے ان کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ (یوپی) میں مالی تعاون کا نصف یا اس سے بھی زیادہ حصہ اہل مبارکپور کا ہے۔ اسی طرح اگر دیگر عظیم مدارس اسلامیہ کا جائزہ لیا جائے تو کچھ ایسے حقائق ظاہر ہوں گے کہ جن سے اب تک دنیا ناآشنا ہے۔ بہت سے ایسے ادارے ہیں جو کسی ایک ہی صاحب ثروت کے مالی تعاون سے ترقیاتی منازل کی جانب رواں دواں ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء: آمین

شراب نوشی اور منشیات
کے دینی اور دنیوی نقصانات

مولانا احمد رضا قادری امجدی، ہزاریباغ

اسلام نے انسان کو پاکیزہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی اور صالح معاشرہ کو تشکیل دینے اور تعمیر کرنے کی ترغیب دی۔ حلال وحرام کی تمیز سکھائی، جائز و ناجائز کے حدود بتائے، مفید و مضر کے فرق کو واضح کیا، اشیائے خورد ونوش میں اچھے برے، طیب وخبیث کو الگ الگ کر کے دکھایا۔ جو چیزیں انسان کی صحت ظاہری و باطنی کے لئے خطرناک ہے ان کی حقیقتوں کو اجاگر کیا، اور جن چیزوں سے صرف ایک فرد تباہی کے دہانے پر نہیں بلکہ پورا معاشرہ بربادی کے گڑھے میں چلا جاتا ہے ان کو بھی بیان کیا۔ کھانے پینے کی کن چیزوں کا اثر اس کے جسم کے ساتھ روح پر پڑتا ہے اور دنیا کے ساتھ آخرت کے خسارہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کو بھی بڑے اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسلام نے انسانوں کو دین ودنیا کی زندگی کے بہت بہترین اصول وآداب سے نوازا ہے۔ اور کسی بھی موقع پر بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ پاکیزہ و پیاری تعلیمات کا ایک حسین گلدستہ عنایت کیا اور رہنمائی سے روشن راستہ دکھایا۔ ایک مسلمان بلکہ ایک عام انسان بھی کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں اسلامی ہدایات اور نبوی ﷺ تعلیمات پر عمل پیرا ہوگا تو یقیناً اس کی دنیا وآخرت سنور جائے گی۔ اسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ منشیات اور شراب نوشی سے روکا اور اس کے استعمال سے سختی سے منع کیا ہے۔ شراب نوشی یا منشیات کا استعمال انسان کے لئے دین ودنیا دونوں اعتبار سے بہت ہی نقصان دہ اور ہلاکت خیز ہے۔ اسلام نے پاکیزہ معاشرہ کا جو تصور پیش کیا ہے اگر اس کو روبہ عمل لانا ہو تو پھر منشیات سے معاشرہ کو پاک کرنا ہوگا، ظلم وجور، بغض وعداوت، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ، چوری وڈکیتی، زناکاری وفحاشی، بے غیرتی وبدتہذیبی کا اگر خاتمہ کرنا ہے تو یقیناً شراب نوشی ومنشیات سے افراد کو بچانا اور علاقوں کو محفوظ کرنا لازمی ہوگا۔ چوں کہ شراب ہی سارے فساد کی جڑ اور تمام تر گناہوں کی بنیاد ہے۔ نشہ کی وجہ سے بندہ بہت ساری خرابیوں میں مبتلا ہوتا ہے اور غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو آیئے ایک مختصر نظر شراب ومنشیات کے استعمال کے نقصانات پر ڈالتے ہیں، تاکہ مقدور بھر اس کی کوشش کی جاسکے کہ ہمارا معاشرہ اور ہمارے افراد اس لعنت سے محفوظ رہ سکیں۔

شراب نوشی زمانۂ جاہلیت میں اسلام سے قبل دنیا جہاں بہت سی خرابیوں اور تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی وہیں شراب نوشی اور نشہ بازی میں بھی غرق تھی، لیکن اسلام نے اپنی آمد کے ساتھ ہی نشہ کی چیزوں کی مذمت اور قباحت کو بیان کرتے ہوئے اس سے انسانوں کو بچایا۔ زمانۂ جاہلیت میں شراب نوشی جس کثرت سے کی جاتی تھی اس اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں اور امراض گھر کئے ہوئے تھے، اور اس کے اسباب واضح ہیں، شراب عام طور سے پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس کا تذکرہ ان کی ادبیات اور شاعری کی بہت بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ عربی زبان میں اس کے نام جس کثرت سے ہیں اور ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ کیا گیا ہے اس سے اس کی مقبولیت وعمومیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، شراب کی دکانیں برسرِ راہ تھیں اور علامت کے طور پر پھریرا لہراتا۔

جب اسلام کی سنہری تعلیمات آئیں، اور جینے کے قرینے

سے آگاہ کیا گیا، شراب کی مختلف حیثیتوں سے مذمت کی گئی، اس کے نقصانات کو بیان کیا گیا، اس کے ناپاک اور حرام ہونے کا حکم نازل ہوا تو پھر کایا ایسی پلٹی کہ کل تک جو شراب کے عادی تھے انہی لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے شراب کے جام توڑے، شراب کو پانی کی طرح نالیوں میں بہادیا اور حکم الہی کے آگے سر تسلیم کرتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو قبول کرتے ہوئے دنیا والوں کے سامنے ایک مثال قائم کی۔ حضور اکرم ﷺ کے منادی نے جب مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ اب شراب حرام کردی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں جو برتن شراب کا تھا اس کو وہیں پھینک دیا، جس کے پاس کوئی سبو یا خم شراب کا تھا اس کو باہر لاکر توڑ دیا۔۔۔ مدینہ میں اس روز اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کی رَو کا پانی، اور مدینہ کی گلیوں میں عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔ (معارف القرآن: 1/525) شراب شیطانی عمل ہے قرآن کریم میں شراب نوشی کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شیطان اس شراب ہی کے ذریعہ دشمنیاں اور عداوت کو پیدا کرتا ہے اور اللہ کی یاد سے غافل کرتا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہے: یایہاالذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون۔ (المائدۃ:91) ''اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیر یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، اب بتاؤ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے شراب کی حرمت کو تاکید کے ساتھ بیان کیا اور اس کے نہایت قبیح ہونے کو بھی ذکر کیا ہے۔ (روح المعانی: 7/17 بیروت)

اللہ کی سنت اور مومنین کے لیے بشارت

ہر نشہ آور چیز حرام ہے نشہ آور چیزوں میں سب سے پہلا درجہ شراب کا ہے جس کی حرمت کو اللہ تعالی نے بیان فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ شراب کے ساتھ ہر وہ چیز اور مشروب بھی حرام ہے جو نشہ لانے والا ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: حرم اللہ الخمر، وکل مسکر حرام۔ (نسائی:5633) ''اللہ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' اسی طرح آپ ﷺ کا ایک ارشاد ہے: کل شراب اسکر، فھو حرام۔ (بخاری: ۲۴۳/۷) ''ہر پینے والی چیز جو نشہ لائے تو وہ حرام ہے۔'' ایک ارشاد میں فرمایا: کل مسکر خمر، وکل خمر حرام۔ (مسند احمد:4506) ''ہر نشہ والی چیز شراب ہے اور ہر شراب حرام ہے۔'' نشہ آور چیز چاہے کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد مبارک ہے: ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ (ترمذی:1784) ''جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ پیدا کرے تو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔'' اس سلسلہ میں اور بھی احادیث نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں جس میں آپ ﷺ نے صاف فرمایا کہ نشہ آور چیز تھوڑی ہو یا زیادہ بہر صورت اس کا استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہوگا۔

شراب نوشی کے دینی نقصانات

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، چاہے وہ شراب ہو یا شراب کی طرح نشہ پیدا کرنے والی ہو تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ نشہ آور چیز کے استعمال کرنے کی وجہ سے بندہ کس قدر دینی نقصانات سے دوچار ہوتا ہے، کیا پھٹکار اور لعنتیں اس پر برستی ہیں اور کس طرح کو خیر اور بھلائی سے محروم رہ جاتا ہے۔ شراب تمام خرابیوں کی جڑ ہے نبی کریم ﷺ نے شراب کو تمام برائیوں اور خرابیوں کی کنجی اور جڑ قرار دیا ہے، اس کے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ برائیوں کے دروازوں کو کھول بیٹھتا ہے اور گناہوں و نافرمانیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاتشرب الخمر، فانھا مفتاح کل شر۔ (ابن ماجہ:3370) ''کہ شراب نہ پینا، کیوں کہ وہ ہر شر کی کنجی ہے۔'' آپ ﷺ نے شراب کو ''ام الفواحش'' یعنی برائیوں اور بے حیائیوں کی ماں قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: الخمر ام الفواحش اکبر الکبائر من شربھا وقع علی امہ

وعمتہ وخالتہ۔ (دارقطنی:4052) ''کہ شراب فواحش کی ماں ہے، اوراکبرالکبائر (کبیرہ گناہوں میں بہت بڑا) ہے، جواس کو پیتا ہے وہ اپنی ماں اور پھوپھی اور خالہ کے ساتھ بھی بدکاری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: لاتشرب الخمر، فانہ راس کل فاحشۃ۔ (مسند احمد:21503) کہ تم ہرگز شراب نہ پینا، اس لئے کہ یہ ہر برائی کی جڑ ہے۔'' شراب نوشی کی وجہ سے محرومیاں شراب نوشی کے دینی نقصانات بے شمار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ جب خدا کے منع کرنے کے باوجود کسی چیز کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ عمل خود محرومی کا باعث ہوتا ہے اور جب ان چیزوں میں مصروف ہوجائے تو ہلاکت اور مردودیت میں اضافہ ہی ہوگا۔ آپ ﷺ نے شراب نوشی کی مختلف زاویوں سے مذمت بیان کی اور مئے نوشی کی بناپر دینی اعتبار سے ایک مسلمان جس درجہ نقصان اٹھانے والا ہوتا ہے اس کو بہت ہی اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا، چناں چہ ان ارشادات میں سے چند یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من شرب الخمر ثم لم یتب منھا، حرمھا فی الاخرۃ۔ (بخاری:5172) ''کہ جس نے دنیا میں شراب پی، پھر اس سے توبہ نہیں کی، تو وہ آخرت کی شراب سے محروم کردیا گیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: مدمن الخمر کعابد وثن۔ (ابن ماجہ:3374) ''کہ شراب کے عادی شخص کی مثال بت پرست کرنے والے کی طرح ہے۔'' ایک جگہ ارشاد فرمایا: لایدخل الجنۃ مدمن الخمر۔ (ابن ماجہ:3375) ''کہ شراب پینے کا عادی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' آپ ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ: الخمر ام الخبائث ومن شربھا لم یقبل اللہ منہ صلاۃ اربعین یوما فان مات وھی فی بطنہ مات جاھلیۃ۔ (دارقطنی:4050) ''کہ شراب خبائث کی جڑ ہے اور جس نے شراب کو پیا تو اللہ تعالی اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرمایا، اور اگر کوئی شخص اس حال میں مرگیا کہ شراب اس کے پیٹ میں تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

شراب نوشی کے دنیوی نقصانات

شراب نوشی اور منشیات کے استعمال کی وجہ سے بندہ دینی اعتبار سے تو بہت بڑا خسارہ اٹھانے والا ہوتا ہی ہے، اس کے اعمال قابل قبول نہیں ہوتے، اور وہ بہت سارے گناہوں میں اس کی وجہ سے مبتلا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ شراب ومنشیات کے اثرات خود انسان کی زندگی اور اس کے ظاہر پر بھی بہت بُرے پڑتے ہیں، اور رفتہ رفتہ اس کی وجہ سے انسان قبر اور جہنم کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ شراب کو عربی میں خمر کہتے ہیں، خمر کے معنی عقل کو ڈھانپ لینے کے ہے، شراب نوشی کی وجہ سے انسان کی عقل پر غفلتوں کے پردے پڑجاتے ہیں، اچھے برے کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور انسان نہ اپنے حواس اور اعضاء پر قابو رکھ پاتا ہے اور نہ ہی زبان وجسم کنٹرول میں ہوتا ہے۔ جو چاہے بکتا ہے اور جیسا چاہے کرتا ہے۔ نہ زبان پاک رہتی ہے اور نہ ہی خیالات میں طہارت ہوتی ہے، نہ عادات واطوار ٹھیک ہوتے ہیں اور نہ ہی فکروعمل میں درستگی ہوتی ہے، اور رشتوں کے تقدس کو بھی شرابی بھول جاتا ہے، اسی وجہ سے معاشرہ میں شراب نوش کو عزت کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا اور کوئی اس سے تعلق رکھنے کو پسند نہیں کرتے، شراب نوش نہ اچھا باپ بن سکتا ہے، نہ اچھا بیٹا بن سکتا ہے، نہ اچھا شوہر بن سکتا ہے، نہ اچھا دوست بن سکتا ہے، نہ معاشرہ کا اچھا فرد بن سکتا ہے اور نہ ہی اپنے پیدا کرنے والے رب کا اچھا بندہ بن سکتا ہے۔

ہر فرد اور جماعت کو اپنے کام کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لاتشربوا مایسفہ احلامکم، ومایذھب اموالکم۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:23288) ''کہ تم ایسی چیز نہ پیو جو تمہاری عقلوں میں فتور پیدا کردے اور تمہارے مال کو ضائع کردے۔'' شراب نوشی ومنشیات کے استعمال کی وجہ سے انسان قدرواحترام کے قابل بھی نہیں رہتا اور جسمانی اعتبار سے بیماریوں میں لت پت ہوجاتا ہے، اعضائے انسانی صحیح کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور ایک ڈھانچہ بن کر عبرت کا نشان بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر برنٹ اپنی کتاب ''علاج ومعالجہ کے چند مقامات'' جو 1971ء میں لندن کے کنگ کالج سے شائع ہوئی ہے، میں لکھتے ہیں: ''وقتی طور پر سرور پیدا کرنے والی شراب جیسی کسی اور چیز کو انسان دریافت نہیں کرسکا لیکن صحت کو تباہ کرنے کی جو تاثیر شراب میں ہے کسی اور میں نہیں ہے۔ خطرناک زہر اور بدترین سماجی شر ہونے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔'' دماغی اور نفسیاتی شفاخانوں کی رپوٹیں بتاتی ہیں کہ ۵۰٪ سے زیادہ امراض

ایسے ہیں جن کی توانائی وتندرستی اور صحت وقوت کو منشیات نے غارت کردیا ہے۔ عالمی ادارہ صحت W.H.O نے 80 ملکوں کے احوال و کوائف کا جائزہ لے کر یہ بتایا کہ امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، روس اور جاپان میں نفسیاتی، ذہنی اور اعصابی امراض میں بیش از بیش اور روز افزوں افزائش کا واحد سبب نشے بازی ہے۔ ماہرین اطباء نے منشیات سے پیدا ہونے والی مختلف نفسیاتی بیماریوں کی نشاندہی کی ہے۔ منشیات سے متعلق تحقیق وریسرچ کرنے والی ایک بین الاقوامی تنظیم کے مطابق منشیات سے درج ذیل عوارض لاحق ہوتے ہیں۔

(1) قوتِ حافظہ میں 22 فیصد کمی آجاتی ہے۔

(2) حساسیت میں 92 فیصد اضافہ ہوجاتا ہے۔

(3) آدمی 80 فیصد اختلال کا شکار ہوجاتا ہے۔

(4) 61 فیصد پریشانی اور بے چینی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

(۵) ۸۸ فیصد منشیات کا عادی انسان سب سے الگ سوچ رکھنے والا ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: از منشیات اور اسلام: 38)

فسادِ معدہ، خواہش طعام کا فقدان، اعضائے جسم کی ساخت میں خرابی، نشہ کے عادی لوگوں کی شکلیں جلد خراب ہوجاتی ہیں، آنکھیں باہر نکل آتی ہیں، رنگ ہیئت بدل جاتی ہے اور پیٹ بھاری ہوجاتا ہے۔ بلکہ بعض جرمنی اطباء کا بیان ہے کہ چالیس سال کے نشہ کے عادی شخص کی ہیئت ساٹھ سال کے انسان کی سی ہوجاتی ہے، اور وہ جسم وعقل ہر اعتبار سے بڑھا ہوجاتا ہے۔ (شراب اور نشہ آور اشیاء کی حرمت ومضرت: 92)

لمحۂ فکریہ:

منشیات کے استعمال اور شراب نوشی کے دینی اور دنیوی نقصانات پر بہت اختصار کے ساتھ چند باتیں پیش کی گئیں ہیں، احادیثِ رسول ﷺ میں بڑی تاکید اور بہت اہتمام کے ساتھ نشہ آور چیزوں کی مذمت اور قباحت کو بیان کیا گیا ہے اور اس لعنت کے سبب انسان دنیا وآخرت میں کس نقصان سے دوچار ہوتا ہے اس کو بیان کیا گیا، اسی طرح چند اقوال دنیوی خرابیوں کے سلسلہ میں ذکر کئے گئے، باقی یہ ہے کہ اس وقت ماہرین اور اطباء کی جدید تحقیقات اس سلسلہ میں ہوش ربا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر صالح اور پاکیزہ معاشرہ تعمیر کرنا ہو اور انسانوں میں حیا و اخلاق کے جوہر کو آراستہ کرنا اور ان کو تہذیب سے مزین کرنا ہو تو لازمی طور پر منشیات اور شراب نوشی سے معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہوگا۔ اس کے بغیر پاکیزہ معاشرہ تشکیل نہیں ہو پائے گا۔ منشیات کے استعمال نے انسانی معاشرہ کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ شراب کے دنیوی لحاظ سے کس درجہ نقصانات ہے اس سلسلہ میں ایک جرمن ڈاکٹر کا یہ قول نہایت چشم کشا ہے کہ: ''تم شراب کی دوکانوں میں سے آدھی دوکانوں کو بند کردو میں تم کو آدھے شفاخانوں، پناگاہوں اور جیل خانوں سے مستغنی ہونے کی ضمانت لیتا ہوں۔'' اسی طرح ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارے اندرون سے حرارتِ ایمانی کو سلب کرنے اور غیرتِ اسلامی کو نیست ونابود کرنے اور مسلم نوجوانوں کو عیاش ودین بے زار بنانے کے لئے دشمنوں نے شراب کو بھی بطور آلہ وہتھیار کے استعمال کیا ہے۔ چناں چہ ہنری فرنسی نے اپنی کتاب ''خواطر اوسوانح فی االاسلام'' میں لکھا ہے کہ: ''وہ تیز ہتھیار جس کے ذریعہ اہل مشرق کو ختم کیا جاسکتا ہے اور وہ مؤثر تلوار جس کے ذریعہ مسلمانوں کا صفایا کرسکتے ہیں وہ شراب ہے۔ (نشہ آور چیزوں کی حرمت ومضرت: 99) اسی طرح ان کا یہ بھی یقین ہے کہ ''شراب کا ایک جام اور مغنیہ کا ایک گانا وہ کام کرسکتے ہیں جو بڑے بڑے توپ وبندوق سے ممکن نہیں ہے۔'' اس لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم اپنے معاشرہ کو منشیات کی لعنت سے پاک کریں، اس کے نقصانات کو لوگوں کے سامنے صاف انداز میں پیش کریں، نوجوانوں کو بچائیں اور تباہی کے دلدل میں پھنسنے سے ان کو روکیں، بچوں پر کڑی نظر رکھیں، ان کی صحبت اور دوستی کا جائزہ لیتے رہیں، منشیات کی قبیل کی تمام چیزوں سے سختی کے ساتھ روکیں اور دینی ودنیوی، ظاہری وباطنی، روحانی وجسمانی نقصانات اور خطرات سے آگاہ کرتے رہیں۔

□□□

قبولیت حج اور سفر مدینہ منورہ

روضہ انور کی زیارت بھی حجِ بیت اللہ شریف کی تکمیل ہے جسے یہ نصیب نہیں وہ محروم ہے

الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی؛ جمشید پور

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلّی کا ایک ظِل
روشن اُنہیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے
ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

روضۂ اقدس کی زیارت کا شرف خواہ حج سے پہلے یا حج کے بعد کرے روضۂ منوّرہ تطہیرِ قلب وتنویرِ ایمان کے لیے تریاق اکبر اور افضل ترین عبادت ہے اور مرقدِ پاک (یعنی وہ مکان جو جسدِ اطہر سے مُمَاس ہے) خانہ کعبہ اور عرش سے افضل جگہ ہے۔

مفسرین کرام، فقہائے عُظّام لکھتے ہیں کہ زیارت اقدس قریب بہ واجب ہے بلکہ بعض علماء بصورت استطاعت واجب کہتے ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد پاک ہے سورۃ نساء آیت نمبر ۶۴ ترجمہ:۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول کریم ان کی شفاعت کریں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت کریمہ سے اللہ کے حضور سرکار کی وجاہت اور قبول توبہ کے باب میں انکی شفاعت کی قبولیت معلوم ہوتی ہے۔ شرح المواہب الدنیہ میں علامہ زرقانی علیہ الرحمہ حدیث زیارت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس سے خصوصی شفاعت مراد ہے یعنی زائرین روضۂ اقدس کے درجات بلند کرانے کے لیے شفاعت فرمانا سرکار کے ذمۂ کرم میں ہے۔

جسکے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

کون مسلمان ہے جو یہ نہ چاہے گا کہ قیامت کی ہولناکیوں سے ہم محفوظ رہیں اور اپنے اعمال کے باز پرس سے ہمیں دو چار ہونا نہ پڑے فَلِلّٰہِ الْحَمْد کہ زیارتِ مدینہ و روضۂ اقدس سے یہ عظیم نعمتیں اور رب کریم کی خصوصی رحمتیں زائرین مکّہ و مدینہ کو حاصل ہوں گی بشرطِ کہ حاضری مدینہ منورہ میں خالص نیت قبرِ انور کی زیارت کی ہو۔

جب مدینہ طیّبہ پہنچ جائے تو نہایت صبر وسکون سے رہے اگر دورانِ قیام کوئی دقّت بھی پہنچے تو دل میں کسی قسم کا خیال، شکایت نہ لائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے ترجمہ: جس نے قصداً میری زیارت کی وہ میرے پڑوس میں ہوگا اور جو مدینہ میں رہا اور وہاں کی مصیبتوں پر صبر کیا قیامت کے روز میں اس کے لئے گواہی دونگا اور جو شخص مکہ یا مدینہ میں مرجائے قیامت کے روز اللہ اسے ایمان کے ساتھ اُٹھائے گا۔

روضۂ انور پر نظر کرنا دیکھنا عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا عبادت ہے تو ادب کے ساتھ خوب خوب روضۂ مقدسہ کو دیکھو اور درود وسلام کی کثرت کرو۔ مدینہ منورہ میں اگر روزہ نصیب ہوجائے تو کیا کہنا اس پر وعدہ شفاعت ہے۔ یہاں ہر نیکی (ایک کی) پچاس ہزار کی لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا عبادت میں کوشش کرو خصوصاً اہل حاجت پر تصدق کرو۔ قرآن کریم کا ایک ختم کم از کم کرو اور حطیم کعبہ میں ضرور ایک ختم قرآن کرنا چاہئے۔

روضۂ منوّرہ میں قبر کریم کو ہرگز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی پڑے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں فرمایا تھا۔ ''لَعَنَ اللّٰہُ یَھُوْدَ وَنَصَارٰی اِتَّخَذُوْ قَبُوْرَ'' ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیا کے قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا

(بخاری شریف) میں اس روایت کے بعد یہ بھی ہے یُحَذِّرُ النَّاس یعنی یہ فرمایا اور لوگوں کو وصیت فرماتے تھے کہ میرے ساتھ ایسا نہ کرنا کہ میری قبر کو سجدہ گاہ بنا لو لہٰذا اس کا اہتمام یہ کیا گیا ہے کہ اس طرف گوشہ والی دیوار کھڑی کردی گئی تاکہ کوئی وہاں نماز بھی پڑھے تو اس کا رُخ حضرتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو یا وہاں سے ہٹ کر نماز ادا کرے یا درہے محبت اور شریعت دونوں پر قائم رہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک بستی کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا جو تمام بستیوں کو کھا جائے گی (سب پر غالب آئے گی) لوگ اُسے یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ لوگوں کو اسطرح پاک وصاف کردے گی جیسے بھٹی لوہے کے میل کو۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں مکّہ معظّمہ ومدینہ منوّرہ کے سوا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں دجّال نہ آئے۔ مدینہ کے ہر راستے پر ملائکہ پر باندھے پہرہ دیتے ہیں دجال مدینہ کے قریب آکر رُکے گا اس وقت مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے جن سے ہر کافر و منافق یہاں سے نکل کر دجال کے پاس چلا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس طرح سے پگھلائے گا جیسے سیسہ یا جیسے نمک پانی میں گل جاتا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے اگر جانتے مدینہ کو جو شخص بطور اعراض چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اسکے بدلے میں اسے لائے گا جو اس سے بہتر ہوگا۔ مدینہ کی تکلیف پر جو ثابت قدم رہا اور مشقت پر جو ثابت قدم رہے گا روز قیامت میں اس کا شفیع یا شہید ہونگا۔

برکات الحج فی الزیارت کے اس سفر سے مقصود صرف اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی کا حصول ہو دکھاوے کے لیے حاجی کہلانے کو یا سیر وتفریح کے غرض سے حج نہ کرے کہ وقت ومال دونوں ضائع ہوگا اور سراسر دنیا حاصل کرنے کے سوا دینی حاصل کچھ نہ ہوگا۔ اسلئے سب سے پہلے ہمت کرکے اپنی نیت کو خالص لوجہ اللہ کریں اور یہ نیک عمل کے لئے ضروری ہے۔

اخیر میں ایک عمل وظیفہ خصوصیت کے ساتھ حُجاج کرام کے لئے لکھ رہا ہوں تاکہ منیٰ میں یا دوران حج لوگ راستہ بھول جاتے ہیں۔ اسکے پڑھنے سے شیطان اور اسکے لشکروں سے محفوظ رہے گا انشاء اللہ۔ سیدنا اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ کی مشہور زمانہ کتاب اَلْوَظِیْفَۃُ الْکَرِیْمہ کی شرح وظائف امام احمد رضا شارح مفتی جھارکھنڈ، محمد عابد حسین مصباحی نوری قادری شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور صفحہ نمبر ۲۹ اور صفحہ نمبر ۵۴ میں لکھا ہے ان کلمات کو صبح وشام ایک بار پڑھنے سے شیطان سے محفوظ رہے گا۔ حضرت ابو یوسف خراسانی نے ابو سعید بن ابی رواحا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک رات مکہ شریف کے سفر میں تھا راستہ بھول گیا اچانک میں نے اپنے پیچھے آہٹ سنی تو بہت ڈر گیا اور گھبرایا کہ کون ہے جب میں نے غور سے سنا تو معلوم ہوا کہ کوئی کلام پاک کی تلاوت کر رہا ہے تھوڑی دیر بعد وہ صاحب میرے پاس آگئے اور کہنے لگے میرا خیال ہے کہ تم راستہ بھول گئے ہو میں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے اس پر انہوں نے کہا کہ میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں کہ جب تم راستہ بھولنے کے بعد اس کو پڑھ لو تو تم کو فوراً راستہ مل جائے گا اور اگر ڈر محسوس ہو رہا ہو تو اسکے پڑھنے سے ڈر جاتا رہیگا یا بے خوابی کی شکایت ہے تو دور ہو جائے گی۔ میں نے کہا ضرور بتایئے۔ انہوں نے کہا پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ جَلِیْلِ الشَّانِ عَظِیْمِ الْبُرْهَانِ شَدِیْدِ السُّلْطَانِ مَاشَاءَ اللّٰهُ کَانَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم جب میں نے اس دعا کو پڑھا تو اچانک میں نے خود کو اپنے ہم سفروں میں پایا اس وقت میں نے ان صاحب کو تلاش کیا لیکن نہیں ملے۔ ابو بلال فرماتے ہیں میں منیٰ میں اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گیا اس وقت میں نے یہ دعا پڑھی اچانک میرے ہمراہی مجھے مل گئے۔ (غُنْیَۃُ الطَّالِبِیْن ص ۳۷۵۔ ترجمہ شمس بریلوی)

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمائے اور اپنے رسول کے شہر میں موت دے آمین۔ اللہ تمام مسلمانوں کو حج نصیب فرمائے۔ آپ سب میرے لئے دعا فرمائیں کہ بار بار حاضری نصیب ہو اور کوئی بے ادبی، گستاخی نہ ہونے پائے۔ آمین ثم آمین۔

□□□

(ادارہ)

غازی ملت صدر ادارہ شرعیہ

مولانا غلام رسول بلیاوی

سے ایک ملاقات

مصاحبات

مولانا غلام رسول بلیاوی جماعت اہل سنت کے نامور خطیب، بے باک ترجمان حق اور قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان کے چہیتے اور معتمد شخصیت کا نام ہے، جوان العمری سے جماعتی خدمت کا بیڑا اٹھایا اور پھر مرکزی ادارہ شرعیہ بہار سے وابستہ ہوکر متنوع جہات پہ خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے۔ ابھی پورے ملک میں خطیب الہند اور غازی ملت کی حیثیت مشہور ہیں۔ دینی مجالس کی تقاریر نے خطابت میں وہ ملکہ پیدا کیا کہ آپ حکومت کی نگاہ میں آئے اور یہیں سے ان کی زندگی میں دینی جذبہ کے ساتھ سیاسی شعور نے بھی انگڑائی لی، رفتہ رفتہ سیاست میں انہوں نے اپنی گرفت مضبوط کی اور پارلیامنٹ میں ممبر کی حیثیت سے شاہانہ داخل ہوگئے۔ یہاں کی چکاچوندھ سیاست میں گم ہونے کے بجائے اپنی مذہبی اور جماعتی شناخت باقی ہی نہیں رکھی بلکہ اسے عام کرنے سعی بلیغ کی، جس کی زندہ مثال علمائے اہل سنت کی تنظیم اور بلکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفات نائب صدر جمہوریہ جناب حامد انصاری صاحب کے توسط سے پارلیامنٹ کی لائبریری میں جمع کروانا ہے۔ ممبر رہتے ہوئے جب جب انہیں موقع ملا پارلیامنٹ میں مسلمانوں کے مسائل پہ بے باکہ خطاب کیا، جس کی دھمک باہر تک محسوس کی گئی۔ وہاں کی مدت ختم ہونے کے بعد ابھی بہار میں ایم ایل سی کے منصب پہ فائز ہیں اور مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں کوشاں ہیں۔ آپ نے قومی ورثہ کی حفاظت کے لئے ''قومی اتحاد مورچہ'' کی بنیاد رکھی اور محنت و جفاکشی سے بہار جھارکھنڈ ایم پی اور چھتیس گڈھ میں اس کے متحرک ممبر کھڑے کردئے۔ مستقبل میں اس مورچہ سے اچھی امیدیں ہیں قارئین بھی اس کے لئے دعا فرمائیں۔

اس شمارہ میں ان کا انٹرویو قارئین کی خدمت میں پیش ہے، ادارہ الرضا ان کی اس نوازش پہ ان کا ممنون ہے اور ان کے لئے دعا گو ہے، خدائے پاک انہیں سلامت رکھے اور ان کی خدمات کا انہیں بھر پور صلہ عطا فرمائے آمین ادارہ

سوال (۱): آپ کی شخصیت عوام وخواص میں مشہور بھی ہے مقبول بھی ظاہر ہے اس میں آپ کی خدمت کا اہم رول ہے مگر اسے جاننے سے پہلے اپنی زندگی کے ابتدائی احوال سے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں!

جواب: آپ کا شکریہ آپ نے مجھ ناچیز کو اس لائق سمجھا کہ زندگی کے ابتدائی احوال اور اب تک کی خدمت سے عوام کو واقف کرانے کے لیے دوماہی رسالہ الرضا میں جگہ دی، الرضا گروپ کا بہت بہت شکریہ۔

میری ابتدائی دینی تعلیم اپنے وطن گرام سری کے مکتب ضلع بلیا میں ہوئی، ناظرہ کے بعد قصبہ رسڑہ ضلع بلیا کے مدرسہ معین الاسلام میں ثانیہ تک تعلیم حاصل کی، پھر وہاں سے دار العلوم اہلسنت مدرسہ شمس العلوم گھوسی چلا گیا۔ یہاں جماعت خامسہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ والدین کی بڑی اولاد کے ناطے وقت اور حالات کے تحت بہت دور رہنا ممکن نہیں تھا لہٰذا اپنے قریبی مدرسہ جامعہ شرقیہ چشم رحمت غازی پور میں داخل ہو کر فضیلت کی تکمیل کی۔ اس پورے پس منظر میں جو سب سے اہم پہلو رہا وہ یہ کہ ضلع بلیا کے اسریلا پنچایت میں جشن غریب نواز کا جلسہ تھا اور یہ آبادی رئیس القلم قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے اپنے آبائی وطن سید پورہ سے چند کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، جلسہ میں میں بھی اپنے والد کے ساتھ گیا تھا۔ وہیں کھیت میں کچھ تخت اور چار پائیاں بچھی تھیں جہاں بھیڑ لگی تھی اور لوگ یہ کہتے ہوئے نکل رہے تھے کہ ملک کے بہت بڑے مولانا ہیں

۔ہمت کر کے میں بھی ان سے ملنے گیا خوب اچھی طرح ہمیں یاد ہے رئیس القلم نے بھوجپوری زبان میں پوچھا کس سے ملنے آئے ہو۔ ہمت کر کے میں نے کہہ دیا علامہ صاحب سے۔ علامہ مسکرائے اور فرمایا آپ کے والد آئے ہیں؟ میں نے اپنے والد صاحب کو بلایا، حضرت علامہ میرے والد سے ملے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ میرے والد نے جواب دیا کہ ہم کاشت کار ہیں علامہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو ہم کو دے دیجئے۔ میرے والد صاحب نے کہا ابھی اسی وقت سے آپ کے حوالے کردکر دیا۔

رسڑ دہ گھوسی دوران طالب علمی میں اکثر رئیس القلم کا سفر گھوسی ہوا کرتا تھا ان کی بنیادی وجہ یہ تھی حضرت رئیس القلم کی بڑی ہمشیرہ حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کی والدہ تھی، علامہ کے ہمراہ مجھے بھی گھوسی جانے اور حضور صدر الشریعہ کے مزار کے مبارک پہ حاضری دینے کا شرف حاصل ہوا۔ جب میں چشمۂ رحمت چلا گیا تو اس کی اطلاع بذریعہ خط میں نے حضرت علامہ کو دے دی۔

فراغت کے بعد ہمارے اساتذہ نے مدرسہ اور مسجد کی ذمہ داری دے کر غازی پور کے موضع رسول پور رجب اللہ بھیج دیا، جو تقریباً دوسو گھر کی آبادی پر مشتمل تھی۔ چند ماہ وہاں رہا اور اس مدرسہ کے لیے راہ ہموار کر دیا، پھر علاؤلپور افغان کے مدرسہ کے لیے وقت سپرد کر دیا اور دھن کر کام کیا، کافی حد تک جب کام آگے بڑھ گیا تو غازیپور ضلع کے مشہور قصبہ یوسف پور محمد آباد کا رخ کیا۔ آمد و رفت اور تحصیل کی وجہ سے ہمیں وہ جگہ مرکزی سمجھ میں آئی، اور یہ سوچ کر کہ مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لئے اگر ایک ادارہ یہاں قائم ہو جائے، تو پھر پورے خطے میں اہلسنت کے تحفظ کا مسئلہ آسان ہو جائے گا میں نے یہاں کوششیں تیز کر دیں، لوگوں سے ملنا جلنا شروع کیا تا کہ کوئی کام کا آدمی سمجھ آجائے، اسی دھن میں ایک دن عبد الخالق قریشی ٹکرا گئے اور ان سے تعلق بڑھانا میں نے شروع کر دیا، پھر یہ راز بھی کھل گیا کہ وہ مرید مفتی اعظم ہیں اور تصلب ان کے اندر بھی کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا ہے۔ پھر یہ تعلق دلی محبت میں بدل گیا اور ایک دن وہ آیا کہ ان کے گھر یوسف پور محمد آباد کے محلہ ظفر پورہ حاضر ہوا، مغرب کی نماز کے بعد کچھ لوگوں کو جمع کر کے قیام مدرسہ کے سلسلہ میں اپنا مدعا بیان کیا، بڑی آسانی سے عوام کی تائید و حمایت مل گئی، اور مرحوم غلام رسول قریشی (جو عبد الخالق صاحب دادا تھے) ان کے چہلم کے موقع سے حضرت مولانا ارشد القادری چتر ویدی بلیاوی اور چشمۂ رحمت کے اساتذہ علاؤلپور کے اساتذہ اور کچھ طلبا کے ساتھ "مدرسہ فیض القرآن" کا قیام عمل میں لا دیا۔ اس سفر میں ہمارے ہم سبق اور ماہر عملیات حضرت مولانا سید عبد الرحمٰن علیہ الرحمہ جو خانقاہ گرام دیوان ساہ دھواں شریف کے چشم و چراغ ہیں نے خوب ساتھ دیا۔ جزاک اللہ خیرا

علامہ ہماری کارکردگی سے باخبر رہتے تھے اس مدرسہ کے قیام کی بھی انہیں اطلاع ہوگئی اور اسے دیکھنے کے لئے یہاں پہنچ گئے اور واپسی کے وقت مجھ سے فرمایا کہ اب یہاں کا کام اور لوگ کریں گے آپ ادارہ شرعیہ پٹنہ کے لیے روانہ ہو جائیں میں خط لکھ دے رہا ہوں اور ایک خط اپنے پیڈ پر موجودہ سکریٹری جناب مرحوم جان عالم خان حبیبی کے نام لکھ دیا۔ میں وہاں سے ادارۂ شرعیہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

سکریٹری ادارہ مرحوم جان عالم خان کو خط دیا وہ عمر اور صحت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے مگر میں علامہ کا فرستادہ تھا انہیں بہر حال ادارہ میں تقرر کرنا پڑا۔ علامہ تشریف لائے سبھوں سے میرا تعارف کرایا اور ماہنامہ "رفاقت" کے اجرا کا حکم صادر فرمایا اور میں اس کام میں مصروف ہو گیا۔ مضامین کی فراہمی اور کتابت وطباعت کے علاوہ اس کو سیل کرنے کا بھی بوجھ میرے سپرد ہوا اور میں انتھک کوششوں سے یہ کام انجام دیتا رہا۔ رفاقت کے علاوہ ادارہ کی تعمیر، مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج اور ادارہ کی ترجمانی بھی میری کوششوں میں شامل رہی، جس کے سبب تقریباً پندرہ سالوں تک عید اپنے گھر ہوتی ہے یہ ہمیں معلوم نہیں رہا، تنہا تنہا پندرہ دنوں تک ادارہ میں کیسے گزرتا تھا جو قریبی لوگ ہیں وہی جانتے ہیں ان کاموں میں ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب بھی ہمارے معاون رہے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کام کے بوجھ سے ہم لوگ بیمار بھی پڑ جاتے پھر بھی کوئی رعایت نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

سوال (۴): علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے زندگی کا لمحہ لمحہ جماعت اہل سنت کے فروغ و استحکام میں صرف کیا، مناظرے کئے، کتابیں لکھیں، سینکڑوں مدارس و مساجد تعمیر کروائے، جن میں ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ، فیض العلوم جمشید پور اور جامعہ نظام الدین دہلی سے ان کا تعلق بانی کے ساتھ مہتمم وسربراہ کا بھی رہا۔

مگر یہ المیہ ہے کہ ادارہ شرعیہ کے علاوہ بقیہ دونوں مراکز اب ان خطوط پہ کارفرما نہیں جو علامہ نے قائم کئے، جس طرح کی خبریں موصول ہورہی ہیں اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اب ان پہ صلح کلیت کے خطرات منڈلا رہے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ آخر ایسا کیا ہوا کہ علامہ کے جاتے ہی یہ سانحات کھڑے ہوگیے؟

جواب: رئیس القلم علیہ الرحمہ نے کبھی بھی اداروں کے قیام کا مقصد اپنے خاندان کی پرورش نہیں بنایا، بلکہ ان کا اول وآخر مقصد اہلسنت کا فروغ اور افکار رضا کی اشاعت رہا۔ یہ کھلی کتاب کی طرح ہے کہ علامہ علیہ الرحمہ کی حیات میں کسی ادارے یا مدرسے میں ان کے خونی رشتوں کے کسی فرد کی مداخلت نہ رہی، ہاں تقرری کے لئے یہ ضرور دیکھتے کہ کوئی ہو کہیں کا ہو، عقیدے کے معاملے میں متصلب اور مسلک اعلیٰ حضرت کے تئیں واضح موقف رکھتا ہے یا نہیں، یہ بات ان کے مناظروں، جلسے کی تقریروں اور ان کی جملہ تصنیفات سبھوں سے ظاہر ہے۔ اسی ادارۂ شرعیہ میں بہار کے ایک مشہور خطیب، اہتمام کے منصب پر فائز تھے، کسی موقع سے کسی فتویٰ کے بارے میں صرف اتنا کہہ دیا کہ مفتی اعظم ہند کے فتوے سے بہتر فتویٰ قاری طیب دیوبندی کا فتویٰ ہے، تو رئیس القلم بپھر گئے اور قاری طیب کے فتوے کی علمی، اور فقہی جزیات سے متعلق باز پرس شروع کردی، رئیس القلم کی یہ دور رس نظر تھی اور فرمایا مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے علم وتقویٰ پر کسی بدعقیدے کو ترجیح دینا ادارۂ شرعیہ کے موقف ومنشا کے منافی ہے جسے قطعی طور سے برداشت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور انہوں نے واقعی برداشت نہیں کیا۔

رئیس القلم کے وصال کے بعد عقیدے کے تشخص کے ساتھ جو کام ادارۂ شرعیہ نے کیا ہے یقیناً وہ رئیس القلم کی روح کی تسکین کا سامان ہے۔ ادارۂ شرعیہ کے علاوہ جن دو مراکز کا تذکرہ آپ نے کیا ہے یقیناً اس وقت یہ دونوں ادارے تشویشناک دور سے گزر رہے ہیں۔ جمشید پور کی تاریخی مکہ مسجد جس کی زمین کی حصول یابی کے لیے مجھے کتنی قربان گاہوں سے گزرنا پڑا اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور ہمارے رفقا اس کے شاہد ہیں۔ جس وقت بہار تقسیم نہیں ہوا تھا حکومت بہار کے دفاتر میں موٹر سائکل سے مولانا امین الدین فیضی کے ساتھ چکر لگانا، زمین کی فراہمی کے بعد سنگ بنیاد سے لیکر وضوخانے تک کی تعمیر میں مالی فراہمی کے لئے بغیر کسی منفعت کے بلکہ اپنے زاد راہ سے جد وجہد کرنا، جب جب ضرورت پڑے حاضر رہنا میری زندگی کا معمول رہا۔ اتنی قربانیوں کے بعد وہاں اگر رئیس القلم کے عقیدہ ونظریہ کے خلاف کوبات ہو تو علامہ کے ساتھ مجھے بھی کتنی تکلیف ہوگی بیان سے باہر ہے۔

اب ایسا لگتا ہے کہ جن پر رئیس القلم نے بہت اعتماد کیا یا تو ان کے نظریات بدل چکے ہیں یا پھر نیت بدل چکی ہے، اگر آج بھی مرکزی ادارۂ شرعیہ کے حوالے یہ دونوں ادارے، ہو جائیں تو پھر ادارۂ شرعیہ کی طرح ان کے قیام کے مقاصد بھی زندہ ہو جائیں۔ یہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ مکہ مسجد کے امام کے عقیدہ کے تعلق سے علمائے اہلسنت جمشید پور کو سوالات کرنے پڑیں، تحقیق کرنی پڑے، دیابنہ کے کفری عقائد سے بھر پور کتابوں کے حوالہ سے ان کے عقائد معلوم کئے جائیں؟ اور وہ بھی اس محلہ دھتکیڈیہہ میں، جہاں رئیس القلم نے دیوبندیوں سے مناظرہ کیا ہو اور مولوی ارشاد دیوبندی کو میدان چھوڑ کر بھاگ جانا پڑا ہو، اور اس مسجد کے بارے میں جسے پینتیس سال کی محنت شاقہ کے بعد وجود میں لایا گیا ہو، کتنا خون پسینہ ایک کرنے کے بعد فیض العلوم کی تعمیر عمل میں آئی، وہاں علمی اور مذہبی رنگ وماحول بنا، مگر ایک فرد ادارے پر اتنا تسلط باقی رکھنے کے لیے ہزاروں ہزار افراد کے جذبات اور سنیت کا خون کرکے پورے ماحول کو پراگندہ کردے، اور وہ بھی رئیس القلم کی صلبی اولاد؟ اب یہ احساس پوری جماعت اہلسنت کو ہو گیا ہے کہ رئیس القلم نے اپنی زندگی میں کسی بھی ادارہ، تحریک وتنظیم میں اپنی اولاد واشخاص کو کسی کلیدی مقام میں کیوں نہیں رکھا؟

رئیس القلم کے چہلم کے موقعے سے ان کے صاحبزادے مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب کو علامہ کا جانشین منتخب کیا گیا مگر ان سے جو توقعات وابستہ تھیں، اس کا پورا نہیں ہونا یقیناً مایوس کن ہے، علامہ کے صاحبزادگان میں جناب مولوی فیض ربانی جو رئیس القلم کے دوسرے صاحبزادے اور مدرسہ فیض العلوم کے کارگزار صدر ہیں، اور مولانا غلام ربانی صاحب جو جامعہ حضرت نظام الدین اولیا کے صدر ہیں۔ جب مکہ مسجد کے امام کے عقیدہ، ان کی صلح کلیت، شہر کے دیابنہ سے تعلقات اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی فکر کے خلاف روش پر شہر واطراف کے اہلسنت نے سوالات اٹھائے تو میں خود جناب فیض ربانی کو فون کے ذریعے، ان کے گھر جاکر اور اپنے

گھر بلا کر فیض العلوم اور جامعہ حضرت نظام الاولیا کے تقدس و تحفظ کے بارے میں بتاتا رہا، لیکن انہیں کسی کی پرواہ نہیں، ہاں وہ امام ان کے نزدیک بہت اچھا ہے، بہت قابل ہے جو رئیس القلم کے عقائد ونظریات کے خلاف کردار پیش کرے، مسلک اعلیٰ حضرت کی خلاف ورزی کرے، فیض العلوم کی چھاؤنی میں رہ کر اس کی جڑ کھودے، جو آبروئے اہلسنت قاضی القضاۃ فی الہند حضور تاج الشریعہ پر پاکستان کے معتوب اور ہندوستان کے اکابر علما کے مطعون پادری کو فوقیت دے اور عقیدۂ اہلسنت مسلک اعلیٰ حضرت کے مخالفین کی ہمدردی میں ان کے دونوں صاحبزادے ساری حدیں پار کر دیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے ان مراکز کو ان کی بعض اولادوں نے مال غنیمت تصور کر رکھا ہے۔ اللہ پاک انہیں عقل سلیم دے کہ یہ اپنے والد کی بے چین روح کی تسکین کا سامان کر سکیں۔

حیرت تو یہ بھی ہے کہ عقیدے کی کجی، بدعقیدوں کے تئیں نرم گوشہ، اہلسنت کے لوگوں کا مکہ مسجد کے موجودہ امام کی اقتدا نہ کرنا جیسے امور پر ڈاکٹر زرقانی نے علمائے اہلسنت جمشید پور کی موجودگی میں اتمام حجت کے بعد امام موصوف کو حکم دیا کہ وہ دیابنہ کی تکفیر، علمائے دیوبند کی کفری عبارتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اہلسنت کے عقیدے اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت کے افکار ونظریات جس کے مبلغ ووکیل رئیس القلم علامہ ارشد القادری تھے جمعہ کی تقریروں میں بیان کریں اور علمائے عرب وعجم کے جو بدعقیدوں پر احکامات ہیں، تفصیل سے بیان کریں اور یہ فیصلہ حق سنا دیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے، اور کیوں کافر ہے، لیکن آج تک امام موصوف نے یہ کام نہ کیا۔ اس کے باوجود علامہ کی اولاد ان کی پشت پناہی کرے یہ رونے کا مقام نہیں تو اور کیا ہے؟

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء جس کے لیے رئیس القلم کے ساتھ میں نے خود کتنے شہروں کی خاک چھانی، یہ قائد اہلسنت کی ہی بتا سکتے تھے، قلق ہوتا ہے، ڈر بھی لگتا ہے، میں اہلسنت کے نئی نسل کے علماء سے اپیل کروں گا بالخصوص فیضی علما سے کہ رئیس القلم کے آپ روحانی اولادوں میں ہیں اور یہ امانت آپ کے حوالے ہے، اس کی حفاظت آپ کا اخلاقی اور جماعتی فریضہ ہے اس کے لیے آپ کی پیش رفت بھی ضروری ہے۔

سوال (۵): ادارہ شرعیہ الحمد للہ ان حادثات سے محفوظ ہے، یہ اب بھی مسلک اعلیٰ حضرت ہی کا نقیب وترجمان ہے اور ان شاء اللہ رہے گا مگر کیا ادارہ شرعیہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں پورے طور پر کامیاب ہے؟ دار القضا، دار الافتا اور مدرسہ شرعیہ کے علاوہ ایسا قابل ذکر کارنامہ کیا ہے جس سے سمجھ میں آئے کہ ادارہ مائل بہ عروج ہے؟ اس سوال کی اہمیت اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ آپ اس کے مہتمم رہے اور صدر ہیں۔

جواب: آپ کا سوال بہت اہم ہے، جواب کے لئے تھوڑا پیچھے جانا ہوگا تاکہ اس کی بنیاد اور پھر بعد کی خدمات کا معاملہ سامنے آئے گا۔ سن ۱۹۶۸ء میں رئیس القلم علیہ الرحمہ نے جن حالات کو دیکھا اس میں اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ ایک کثیر المقاصد ادارے کی سخت ضرورت ہے جو تحریکی، تنظیمی، فلاحی، تدریسی اور شرعی امور کی انجام دہی کے لیے مرکزی حیثیت رکھے، افراد و وسائل کی قحط سے گذرتے ہوئے اکابر علمائے اہل سنت کے ہاتھوں اس کی داغ بیل ڈال دی۔ اساسہ اور وسائل کے طور پہ صرف اس دور کے اکابر اہلسنت کی دعائیں اور حمایتیں ساتھ تھیں، بہار کے دار السلطنت پٹنہ میں ایک کرایہ کے مکان سے ادارہ شرعیہ کا آغاز ہوا، کئی مکانات سے منتقل ہوتے ہوئے سلطان گنج نوگھروا کی ایک چھوٹی سی زمین پر تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم مصطفیٰ رضا خان قدس سرہٗ کے دست بابرکت سے سنگ بنیاد رکھا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ کارواں آگے بڑھتا رہا، علما وعوام سبھوں نے اسے مرکز کی نگاہ سے دیکھا اور جو بن پڑا تعاون کیا۔ ادارہ کی عمارت کھڑی ہوگئی، پھر الحاج غلام رضا عرف منے میاں، الحاج سید ثناءاللہ رضوی اور دیگر افراد کے ساتھ ایک کمیٹی تشکیل پائی اور نئے جذبہ کے ساتھ ہم لوگوں نے ادارہ کے (قدیم عمارت) تعمیری کام کو ایک حد تک مکمل کر لیا۔ ایک دور وہ بھی آیا کہ علامہ نے اس تحریک میں زور پیدا کرنے کے لئے اصلاح معاشرہ کے نام پر پورے صوبہ میں صوبائی اجلاس کیا جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا، اصلاح معاشرہ کانفرنس کی تیاروں کے سلسلے میں جو محنت میں نے کی اگر میرے ساتھ دیگر احباب بھی متواتر اس مشن کو جاری رکھتے تو شاید عالمی سطح پر جماعت اہلسنت کا یہ ادارہ کچھ نئی تاریخ رقم کرتا، مگر اب شکایت کیا کرنا، ہاں اتنا ہے کہ اس دور میں یہ تمیز کرنا کہ کون کس قدر کس حد تک جماعت

دوست اور خالصاً دین کے جذبے سے شریک سفر ہے مشکل ہے۔

جہاں تک بات ادارہ شرعیہ کے مزید وسعت کی ہے تو الحمدللہ میں نے اسے ایک مشن کی طرح کل بھی لیا تھا آج بھی یہ جذبہ ایک مشن کی طرح ہمارے اندر سمایا ہوا ہے، کرناٹک میں جامعہ حضرت بلال کے چیرمین الحاج اے میر جان قادری کے تعاون سے ادارہ کی ایک متحرک شاخ کا قیام، جھارکھنڈ میں سابق صدر ادارہ حضرت مولانا جمال احمد خان نوراللہ مرقدہ اور مولانا قطب الدین رضوی کے تعاون سے ادارہ کی شاخ کا قیام، بنگال میں متعدد علما کے تعاون سے ادارہ کی شاخ کا قیام، یہ سب یقیناً ادارہ کے متحرک رہنے کی علامت ہے اور اس کے لئے میں نے جد جہد کی ہے۔ ملک میں جو ضلعی شاخیں قائم ہوئی ہیں وہ اس کے علاوہ ہے

سوال: (۶) حضرت میں نے شاخوں کے حوالہ سے نہیں بلکہ یہ جاننا چاہا ہے کہ دارالقضا دارالافتا اور مدرسہ شرعیہ کے علاوہ ادارہ کی کیا خدمات ہیں، یا انہیں تینوں کام کا نام ادارہ شرعیہ ہے؟

جواب: ادارہ کا اصل کام تو واقعی دارالقضا اور دارالافتا ہی ہے ،مگر اس کے علاوہ اس کے مقاصد میں تربیت افتا و قضا، تنظیم، مدرسہ کا قیام، ریلیف، اشاعتی کام، علمائے بہار کو مربوط و منظم رکھنا سب شامل ہے اور اس کام میں بھی ادارہ پیچھے نہیں ہے۔ فسادات میں ریلیف تقسیم اور راحت کاری کے کاموں میں ادارہ نے ہمیشہ حصہ لیا۔ بھاگلپور کا وہ نسل کش فساد جس نے پورے ملک کو جھنجھوڑ دیا تھا، رئیس القلم نے بھاگل پور میں تقسیم ریلیف، راحت و بچاؤ کا مورچہ میرے حوالہ کر دیا پورے دوسال کا عرصہ میں نے بھاگلپور میں گذار دیا، جن حالات کا میں نے کم عمری میں سامنا کیا، وہ یقیناً آج میرے لئے حیرت ناک معلوم ہوتا ہے۔ بلاشبہ بھاگل پور کے چند نوجوان جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں نے بھرپور تعاون دیا اور ادارہ شرعیہ نے ایک مثالی فلاحی کام انجام دیا، اہلسنت کی مختلف ملی، فلاحی تنظیموں نے مدارس و مساجد کے ائمہ نے جو تعاون پیش کیا وہ بھی ناقابل فراموش ہے۔ اس دور کے وزیراعلیٰ ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا جائزے کے لیے بھاگلپور پہنچے تھے، کچھ افسران ادارہ شرعیہ کے ریلیف کیمپ کو تباہ کرنے کے درپے تھے۔ میں دیہی علاقوں میں راحتی اشیاء کی تقسیم میں لگا تھا۔ معلوم ہونے پر دوڑتا بھاگتا سیدھے ایئرپورٹ چند افراد کے ساتھ پہنچا۔ میرے ہاتھ میں مظلوموں کی وزیراعلیٰ کے نام عرضی بھی تھی میں انجام کی پرواہ کئے بغیر جہاز کے سامنے کھڑا ہو گیا بالآخر وزیراعلیٰ باہر آئے اور یقین دلایا جو عملہ سرچ آپریشن میں شامل تھا اس پر قانونی کاروائی کی جائے گی۔ اس دور میں ادارۂ شرعیہ کی مہم نے نہ صرف یہ کہ اشیاء اجناس، رقوم تقسیم کئے بلکہ میں نے محسوس کیا تھا لوٹے پٹے ان مظلوموں کی طرف سے اگر ایف، آئی آر نہیں ہوگا تو پھر عدلیہ سے خالی ہاتھ لوٹنا ہوگا، چند وکلا کی ٹیم اور دردمندوں کے ساتھ ایک لیگل بورڈ تشکیل دی، وکلا ایف آئی آر لکھتے تھے اور میں ضلع بھاگلپور ایس پی کو خود سے رسیو کراتا تھا اگر اس کا تذکرہ نہ کیا جائے تو خونی سانحے کے ستھ انصاف کا خون ہو جائے گا جو کہیں سے اہل ایمان نہیں کر سکتے۔ تیرہ سال کے بعد بھاگل پور فساد جانچ کمیشن نے جب فیصلہ سنا تو یہ مصرع صادق آ گیا۔

قاتل ہی محافظ ہے قاتل ہی سپاہی

لیکن حالات بدلے انصاف کی پیشانی پر عدم انصاف کا ایک دھبہ صاف دکھ رہا تھا جسے ہر باضمیر محسوس کر رہا تھا کہ غلط ہوا ہے بہار کے موجودہ وزیراعلیٰ جناب نتیش کمار صاحب نے ہائی کورٹ کی اجازت سے بھاگلپور فساد کی دوبارہ جانچ شروع کرائی اور تین سال کے مختصر مدت میں جن درخواستوں اور شکایات کو نظرانداز کر دیا گیا تھا اور جس کے پاداش میں مجرمین بری ہوئے تھے ان میں اکثر درخواستیں ادارۂ شرعیہ کی ریسیو کرائی ہوئی ہوتی تھی دوبارہ کمیشن نے ان درخواستوں کو شامل سماعت کیا، فسادات کی تاریخ میں یہ پہلا اتفاق بھی ہوا کہ دوبارہ جانچ میں بیالیس افراد کو عمر قید کی سزا ہوئی جس پر سپریم کورٹ نے بھی تصدیق ثبت کر دی۔

ابھی بھاگلپور کا زخم بھرا بھی نہیں تھا کہ سہسرام، ہزاری باغ، سیتامڑھی کا فساد سامنے آ گیا ان مقامات پر بھی ادارہ شرعیہ کو راحتی دستہ روانہ کرنا پڑا، بھاگلپور میں میں نے محسوس کیا کچھ پیسے اور اجناس واشیاء سے پیٹ کی آگ نہیں بجھے گی اور مانگے ہوئے تعاون سے ان کی ضرورت بھی نہیں پوری ہوگی، اس لیے بہتر ہے پیسے کے بجائے ادارۂ شرعیہ سے وہ سامان دیئے جائیں جو پیروں پہ کھڑا ہو نے کے لیے بنیاد بنے، مظلومین میں اکثر طبقہ ٹیلر ماسٹر اور راج مستری کا تھا او صاحب حیثیت طبقہ دوکاندار اور ہنڈلوم اور پاورلوم والوں کا تھا

بجٹ کے حساب سے سیلائی مشین اور راج مستری کے اوزار تقسیم کرنے کا منصوبہ بنا سو عدد سیلائی مشین اور اوزار میں کافی حد تک معاشی زندگی معمول پہ لوٹ آنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ اسی طرح کشمیر سیلاب کے موقع سے ادارہ نے یہاں سے ریلف بھیجا، مظفر پور میں فساد ہوا ادارہ نے وہاں ریلف بھیجا اور ریلف کے بعد بھی ان کے تحفظ کے لئے جو ضروری تھا اپنی بساط بھر ادارہ نے ہمیشہ کیا۔

ریلف کے بعد دیکھیں، ہماری انتظامیہ اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے پٹنہ میں ۱۲ کٹھہ کی زمین خریدنے میں کامیاب ہوئی۔ اسی جگہ پہ مرحوم پروفیسر قاسم حسن وارثی کے صاحبزادوں بشمول جناب ڈاکٹر نقی امام صاحب نے مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے ''مسجد قاسم احسن وارثی'' کے نام فی سبیل اللہ دو کٹھہ زمین وقف کیا، بقیہ زمین کی خریداری میں الحاج سید ثناء اللہ رضوی ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ کا جملہ انتظامیہ کے ساتھ اہم رول رہا۔ الحمد للہ اس زمین پر مسجد کی تعمیر ہوگئی، نماز کا اہتمام تین سال سے ہو رہا ہے اور بقیہ زمین پہ تعمیری کام تیزی سے جاری ہے۔

اس کے علاوہ علمائے بہار اور دانشوران ملت کے ساتھ باہمی مشورہ سے کئی نئے شعبے بھی ادارہ شرعیہ میں قائم کئے گئے ہیں جن میں ادارہ شرعیہ تعلیمی بورڈ، فقہ ایڈوائزری کونسل، لیگل سیل، مجلس شوریٰ جیسے شعبے شامل ہیں۔ تعلیمی بورڈ پر کام الحمد للہ شروع ہے، مدارس و کالج کے اساتذہ کے اشتراک سے ایک نیا نصاب بھی تشکیل دیا گیا ہے امید ہے اس کا نفاذ بھی عید بعد ہو جائے۔

سن دو ہزار اٹھارہ میں ادارہ شرعیہ کی عمر پچاس سال ہو جائے گی اور اس موقع سے جشن پچاس سالہ کی تیاری کے ساتھ کچھ تاریخ ساز فیصلے بھی لینے کا ارادہ ہے۔ پہلی ترجیح ہر صوبہ اور ہر ضلع میں دار القضا کا قیام، مطالبہ جہیز کی لعنت، بے موقع و محل طلاق کی وبا سے خاندانوں کی تباہی کے تحفظ کا ٹھوس لائحہ عمل لانے کا منصوبہ ہے۔ ائمہ کی دینی، تبلیغی اخلاقی و جماعتی تربیت کے ساتھ ان کی معاشی بہتری کے لیے ادارہ شرعیہ نے جو مساجد و مدارس کی فہرست سازی کا کام شروع کیا ہے بقیہ اضلاع کی فہرست مل جانے کے بعد کمشنری سطح سے تربیتی کیمپ کا منصوبہ لائے گا۔

اسی کے ساتھ ادارہ نے اپنی نئی عمارت میں بچے اور بچیوں کو باہنر بنانے اور قدیم عمارت میں کمپیوٹر سینٹر کا جو کام شروع کر رکھا ہے وہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کے فوائد سامنے آرہے ہیں کہ وہ معاشی اعتبار سے خود کفیل ہو رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ادارہ کی خدمات عوام تک پہونچانے میں ہم اس حد تک سرگرم نہیں ہوئے جو لوگ کچھ نہیں کر کے بھی بہت کچھ پہونچانے میں کامیاب ہیں۔

انشاء اللہ جب زیر تعمیر نئی عمارت مکمل ہو جائے گی تو فضیلت تک کی تعلیم کے ساتھ علامہ ارشد القادری انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کا باضابطہ آغاز ہو جائے گا

سوال (۷): تین طلاق کے مسئلہ میں آپ کی کوششوں سے اہل سنت کی طرف سے صرف ادارہ شرعیہ سپریم کورٹ کا فریق بنا، اب تک تین طلاق کے مسئلہ میں ادارہ شرعیہ کا کیا رول رہا اور سپریم کورٹ کی بحث میں ادارہ شرعیہ نے کیا رول ادا کیا اور اس کے اثرات کیا سامنے آنے کے امکانات ہیں؟

جواب: مسلم پرسنل لا میں مداخلت یہ کوئی نیا حادثہ نہیں ہے یہ ہندوستان کے جمہوری نظام میں اقتدار تک پہونچنے کا ذریعہ بن گیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ملک سے ملی ہوئی آئینی اور اسلامی جذبے کے تحت اس کے تحفظ کے لیے پرامن لڑائی لڑنا ہمارا بنیادی حق ہے۔ آپ کو یاد ہوگا شاہ بانو کیس میں عورتوں کی کفالت و مظلومی کی دوہائی دیکر جھوٹی ہمدردی جتاتے ہوئے آوارگی کی جو راہ تیار کی گئی تھی اس میں اس وقت کی مرکزی حکومت نے پوری طاقت کا استعمال کیا تھا اور عدلیہ نے جو غیر فطری فیصلہ دیا تھا کہ جب تک مطلقہ دوسری شادی نہ کرلے شوہر پر نان ونفقہ واخراجات قانوناً دیتے رہنا ہوگا جس پر پورا ملک برسر پیکار ہو گیا تھا اس موقع پر علامہ نے سیوان میں جو کانفرنس کی تھی اس کی دھمک سے حکومت نے فیصلہ بدل لیا تھا۔ اب جب کہ تین طلاق کے مسئلے پہ معاملہ الہ آباد ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ تک پہونچا اگرچہ اس وقت فریق ثانی کی حیثیت سے ادارہ شرعیہ نہیں تھا لیکن جب یہ احساس ہو گیا کہ ماضی کے معاملوں میں فریقین نے جس طرح ارباب اقتدار کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا لیا، اس موقع سے عوام سے لیکر عدلیہ تک ادارہ کو اپنے مقصد قیام کا احساس دلانا لازمی تھا احتجاجی اجلاس وجلوس کے علاوہ محترم جناب سرور رضا سینئر ایڈوکیٹ کے توسط سے ایک فریق کی حیثیت سے میں نے بھی عرضی ڈال دی۔ عدلیہ کے اسپیشل فیصل بینچ نے

ادارہ شرعیہ کوایک فریق کی حیثیت سے تسلیم کرلیااور سماعت شروع ہوئی ۔نتائج کاانتظار ہم کوبھی ہے آپ کوبھی، ہاں سماعت میں ہمارے وکلا نے سرکاری وکیلوں کی چولیں ہلادی ہیں اب جن کے ہاتھوں میں قلم دان ہے ان کا فیصلہ کیسا آتا ہے قبل از وقت کیا کہا جائے۔

سوال (۸): آپ الحمدللہ پارلیامنٹ کے ممبر بھی رہے اور قومی مسائل کے اعتبار سے آپ نے اپنی موجودگی بھی درج کروائی، کیا جماعت کی طرف سے بھی آپ نے نمائندگی کی؟ کوئی ایسا کام، جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ آپ جماعت اہلسنت کے نمائندہ بن کروہاں گئے تھے؟

جواب: جناب یہ سوال بہت ہی وسیع المفاہیم ہے۔ میں محض ایک مختصر وقت کے لیے پارلیامنٹ گیا تھا، اتنا مختصر وقت کہ پارلیامنٹ کے ضابطے اور اس کے پاور کو ہی سمجھ نے کے لیے ناکافی تھا، پھر بھی پہلا کام یہ کیا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ، جو پوری دنیا میں صاحب تصانیف کثیرہ ہیں جتنے فنون پر ان کی کتابیں اب تک شائع ہوچکی ہیں اتنے فنون کا کوئی حافظ بھی نہیں ملتا ، میں نے پہلی فرصت میں اس عبقری شخصیت کی کتابوں کو نائب صدر جمہوریہ ہند عزت مآب حامد انصاری صاحب کے توسط سے سترہ (۱۷) صوبوں کے علمائے اہلسنت پر مشتمل جس میں آپ بنفس نفیس خود شریک تھے پارلیامنٹ تک پہونچانے کی ایک کامیاب کوشش کی۔ اور کیا ہیں اعلیٰ حضرت اور ان کی علمی خدمات؟ اور عالمی سطح پر یونیورسیٹی میں جو تحقیقات امام احمد رضا پر ہوئیں ان تمام کا ڈاٹا انہیں پیش کیا۔ اب تک جتنی پی ایچ ،ڈی امام احمد رضا پر ہوئی ہیں وہ شاید اب تک کسی دوسری مذہبی شخصیت پر نہیں ہوئی، نمائندہ وفد کی موجودگی میں جو میں نے وکالت کی اور علمی خدمات کو سامنے رکھ کر ملک کی سبھی یونیورسیٹیز کے شعبے میں ''امام احمد رضا چیئر'' کے قیام کا مسئلہ اٹھایا، انہوں نے اس کی حمایت کی اور فرمایا کہ مولانا احمد رضا کی اتنی کتابیں آپ نے دی ہیں کہ میں حیرت زدہ ہوں۔ اور اس سلسلہ میں یقینا بات کروں گا۔ یہ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ روہیل کھنڈ یونیورسیٹی میں ''امام احمد رضا چیئر'' قائم کردیا گیا۔

اسی نشست میں تقریباً سبھی صوبوں کے علمائے اہلسنت کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ ہر صوبے سے آئے ہوئے علماء اپنے صوبے کے گورنر سے کے ساتھ رابطہ کریں، گورنر سے ملنے کا وقت نہیں ملے یا وقت ملنے میں کوئی دقت ہو تو اس کی اطلاع مجھے دیں۔ میں خود بھی کوشش کروں گا اور اس صوبے کے گورنر سے ملکر نائب صدر جمہوریہ سے ملاقات کی روشنی میں گورنر سے اس کام کے کرنے کے گذارش کی جائے گی کیونکہ یونیورسیٹیز کے مالک وہی ہوتے ہیں۔ اور سبھی یونیورسیٹیز کو مفت کتابیں بھی فراہم کرنے کا فیصلہ لیا گیا تھا لیکن ہوا وہی کہ روانگی کے بعد اپنے نجی کاموں میں لوگ مصروف ہوگئے۔ میری ہر ممکن اول ترجیح یہی ہوتی ہے کہ وقت ضائع کئے بغیر جماعت کی فلاح اور عقیدہ حقہ کی اشاعت ہو اور وہی میری زندگی کا مشن بھی ہے۔

ملک کے مسلمانوں کے معاشی، تعلیمی، اقتصادی امور پر حکومت کے سامنے جس بے باکی سے میں نے آواز اُٹھائی ہے اگر اس پورے دستاویزات کو اکٹھا کیا جائے اور پارلیامنٹ میں میرے ممبر بنے رہنے کے دن گنے جائیں تو یہ فیصلہ کرنے میں قطعی دقت نہ ہوگی جتنا کام اور لوگ چھ سال میں نہیں کر پاتے وہ کام میں نے صرف دو سال میں کرنے کی کوشش کی ہے، ہاں ذہن میں جو منصوبے ہیں اگر اپنے بزرگوں کے کرم سے دوبارہ جانے کا موقع ملا تو انشاءاللہ اسے ضرور پورے کرنے کی جدوجہد کروں گا۔ اب تو دونوں ہاؤس کا تجربہ ہوچکا ہے، اس لئے انشاءاللہ کام میں آسانی بھی ہوگی اور جماعت کا بول بالا ہوگا۔ ہمت میری ہے دعا کا طالب ہوں بقیہ مرضی مولی پر منحصر ہے۔

سوال (۹): آپ کے حوالہ سے قومی اتحاد مورچہ کا نام بھی بہت سننے میں آرہا ہے بہار سے باہر تک اس کا شہرہ میں نے سنا بلکہ ایم پی کے علاقہ میں میں نے خود مشاہدہ کیا، آپ اس مورچہ سے کیا کرنا چاہتے ہیں کیا ادارہ شرعیہ سے وہ کام نہیں ہوسکتا تھا جو کام آپ مورچہ سے لینا چاہتے ہیں؟

جواب: ادارۂ شرعیہ کے قیام مقصد کیا ہے وہ واضح ہے اور آگے گزر چکا اور اس خط پر ادارہ کا کام ہورہا ہے۔ قومی اتحاد مورچہ اب بھی صوبوں میں ممبر سازی کی مہم میں سرگرم عمل ہے اور اس کا ایک وسیع منصوبہ ہے جیسے جیسے تنظیمی ڈھانچہ کھڑا ہوتا جارہا ہے ویسے ویسے افراد کی صلاحیتوں کے اعتبار سے تقسیم کام کئے جارہے ہیں اور جو آثار دکھ رہے ہیں اگر کسی نظر بد کا شکار نہ ہوئے آنے والے دنوں میں اتحاد

مورچہ یہ واضح کرادے گا اب ہم کسی کے شکست کے لیے نہیں بلکہ اپنے وجود کے لیے اور نسلوں کے تحفظ کے ساتھ حقوق کے لیے زندہ رہیں گے اس کے لیے کئی مذاہب کے لوگوں کا قومی پلیٹ فارم ہے اور ادارۂ شرعیہ ہمارا خالص مذہبی، ملی، اصلاحی اور دینی تحریکی ادارہ ہے۔

ملک کے بدلے ہوئے حالات، مسلمانوں کے مسلسل ہور ہے استحصال، ملازمت، اسمبلیز ، پارلیامنٹ بتدریج گھٹ رہی مسلم آبادی، یقیناً ایک اضطرابی مسئلہ بن گیا ہے اور جس لعنت کی تشہیر کر کے مسلم ووٹ لے لیے جاتے ہیں اور اس کے عوض اقتدار میں آنے کے بعد صاحب اقتدار کی جو طوطا چشمی ہوتی ہے وہ نہایت ہی شرمناک ہے۔ مایوسیوں کے جس دور سے ملت گذر رہی ہے اس میں کچھ افراد کے ایم پی، ایم ایل اے، وزیر بن جانے سے مایوسیوں کا کوئی حل نہیں ہے۔ ہاں کچھ افراد کے ایم پی، ایم ایل اے، بن جانے سے دل کو ڈھارس تو بندھتی ہے مگر وہ ہماری منزل نہیں اس سے ہمارے مسئلے حل نہیں ہو سکتے۔ سیکولیرزم کے نام پر مسلمان سب کو ووٹ دے دیتا ہے لیکن انہیں سکولر پارٹیوں سے اگر مسلم امیدوار ہوتا ہے تو اس پارٹی کے لیڈر کی برادری اور مذہب اور پارٹی کے ورکروں کے ووٹ ان مسلم امیدواروں کو کیوں نہی ملتے ہیں۔ ملک میں سب سے زیادہ اقتدار میں مسلم ہمدرد کہلانے والی ہی پارٹیاں رہیں۔ دوطرفہ چوٹ مسلم کھاتے رہے مسلمانوں کو غدار وطن، ملک دشمن ثابت کرنے والی تنظیمیں بٹتی بھی رہیں، لوٹتی بھی رہیں، اور جنہیں مسلمانوں کے ووٹ نے اقتدار میں بٹھایا، بجائے انصاف کرنے کے سروسوں سے مسلمانوں کو ہٹاتے رہے اور اپنے عملہ کے ذریعے مقدمات میں ملوث بھی کرتے رہے۔ دوطرفہ مار نے اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا ہے جیسے مسلم بدھوا مزدور ہے، ان کے ساتھ چاہیں جو سلوک کریں، یہ جائیں گے کہاں؟ جب کہ پارلیامنٹ میں میں نے اس مسئلے پر دوٹوک اپنی رائے رکھی تھی اور کہا تھا کہ اس ملک کے پہلے فرقہ وارانہ فساد میں اگر مجرموں کو صحیح سزا مل گئی ہوتی تو شاید دوسرا فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا ہوتا، آج جو بھگوا اور کسریا رنگ والے سماج دشمن عناصر صحت مند ہوئے ہیں اور ان کے ہاتھوں ملک اور صوبوں کی حکومتیں آئی ہیں سیکولر کہلانے والے عیاریوں کا حجاب اوڑھ کر اگر مسلمانوں کو دھوکہ نہ دیتے ہوئے تو موجودہ حکمرانوں کی پیدائش ہی نہیں ہوتی۔

سوال (۱۰): ہندوستانی مسلمان ابھی کئی طرح کے خطرات سے دوچار ہیں سنگھ پریوار ہر محاذ پہ مسلمانوں کے خلاف مورچہ بند ہے، اور مسلمانوں میں ابھی بھی بیداری کا فقدان اور اجتماعی سوچ کی کمی ہے، ایسے حالات میں ان کے سیاسی شعور کی بیداری کے لئے کیا کیا جائے؟

جواب: اسی خط پہ کام کرنے کے لیے قومی اتحاد مورچہ کا وجود عمل میں لایا گیا اور یہ غلط فہمی ذہن سے نکال دینی ہوگی کہ مسلمانوں کے مسائل یا ان کے جان و مال کے تحفظ کے تئیں کوئی بھی طبقہ سنجیدہ رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کے ووٹ سے سب کو سروکار ہے اور جس تیزی کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر ملک کی عوام کو تقسیم کرنے کا منصوبہ بایا گیا ہے اس کی بنیاد ستر سال پہلے پڑ چکی تھی۔ پوری مستعدی کے ساتھ مہم بنا کر جنون کی حد جب تک تحریک نہیں چلے گی بہت آسانی سے اس پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ ہم کو تباہ کرنے کے لئے سنگھ پریوار ہر شعبۂ حیات میں افراد پیدا کئے ہیں، ہم نے گاؤں میں قابل اعتماد ایک مرد بھی پیدا نہیں کیا۔ ذاتی مفاد، بغض وعناد اس قدر حاوی ہے کہ یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو رہا ہے کہ کون آدمی کتنے گز تک ساتھ چلے گا اور کب کہاں ساتھ چھوڑ دے گا۔ باوجود اس کے قومی اتحاد مورچہ نے جب اس سفر کا آغاز 2005ء میں کیا تو ہمیں بھی یہ امید نہیں تھی کہ جو دو چند افراد کی سوچ اتنی جلد مقبول ہو جائے گی۔ ہر شعبۂ حیات میں منظم طریقے سے دفاع کی ضرورت ہے وہ بغیر تربیت و بیداری کے ممکن نہیں یہ احساس کسی مسلم تنظیم نے نہیں بلکہ یہ احساس آر، ایس، ایس اور اس کی ذیلی تنظیموں نے کرائی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس احساس کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور قومی اتحاد مورچہ اسی ضرورت کا نام ہے۔

سوال (۱۱): جماعت اہل سنت میں ابھی اجتماعی طور پر کام کرنے کا جذبہ مفقود ہے یہی وجہ ہے کہ مخالفین کے یہاں مسلم پرسنل بورڈ اور جمعیۃ العلما ہند نام کی تنظیمیں ہیں مگر اپنے یہاں اس حوالہ سے ابھی مکمل خاموشی ہے، مسلم پرسنل لا کانفرنس اور مسلم متحدہ محاذ جیسی بااثر ملی اور مذہبی تنظیم کی تاریخ رکھنے کے باوجود

سرد مہری کا شکار ہونا یقینا المیہ ہے، بہار میں ابھی ایسی بہت سی شخصیات موجود ہیں جوان تنظیموں کو پھر سے متحرک کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں آپ اس سلسلہ میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

جواب: یقیناً یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ اسلاف نے جس تنظیم وتحریک کا قیام کو قائم کیا اس سے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہم ان بزرگوں کے وصال کے بعد ان کے شجرے اور ان کی وراثت کی تقسیم میں لگ گئے، ان کی تحریک وتنظیم کو زندہ رکھنے میں ہم بہت پیچھے ہو گئے، اکابر میں وہ لوگ تھے جو اپنے آپ میں تحریک بھی تھے، تنظیم بھی تھے اور جماعت بھی تھے، ہماری وہ بساط نہیں ہے ہاں کوشش ضرور ہے کہ اسلاف کی یادیں تازہ کرادی جائیں دعا فرمائیں کل ہند مسلم پرسنل لا کو باضابطہ احیا کرنے کا ارادہ ہے اس مد کے افراد کی تلاش میں جٹا ہوں، کچھ افراد مل بھی گئے ہیں، کچھ کی تلاش باقی ہے، اس رائے سے جو لوگ متفق ہیں اور احساس زندہ ہے تو میری گزارش ہے کہ وہ پیش رفت کریں تا کہ دہلی میں ایک نشست ہوسکے۔

علاقے اور خطے کے اعتبار سے احساس سب کو ہے لیکن فرصت کسی کو نہیں اس لیے میں یہ کہنے پر حق بجانب ہوں کہ جماعت اہلسنت کہ پھر کسی رئیس القلم کو تلاش رہی ہے اور سرپرست حضور مفتی اعظم ہند جیسے صاحب فیض وکشف محافظ کو ڈھونڈ رہی ہے جس دن یہ اکٹھا ہو گئے اسی دن ایک نیا انقلاب آجائے گا۔ ہماری مساجد کے ائمہ اور اسٹیج کے خطباء اس سوچ کی طرف پلٹ جائیں تو عوام سڑکوں پر اتر آئے اس کے لیے ہر صوبے میں، جنون کی حد تک کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال (۱۲): **بعض عاقبت نااندیش لوگوں کی وجہ سے جماعت میں ابھی انتشار کی کیفیت دیکھنے میں آرہی ہے، یہ وہ سر پھرے ہیں جو چند سکوں کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں اور کرتے رہتے ہیں، اس سے جماعت کا مستقبل بہت تابناک نہیں ہے جماعت کو جو بڑے ابھی ہمارے درمیان ہیں ان کے رہتے ہوئے اگر حالات پہ قابو نہیں پایا گیا تو حالات اور بھی سنگین ہوسکتے ہیں، اس صورت حال پر قابو پانے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور آپ نے اس کے لیے کیا کچھ کیا؟**

جواب: کسی بھی جماعت مین تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں کچھ عقیدۃً، کچھ ضرورۃً، کچھ حقیقتاً۔ ٹھیک اسی طرح سے اہلسنت میں بھی تین طرح کے لوگ ہیں اور آہستہ آہستہ عوام بھی جاننے لگی ہے ان تینوں اقسام کے لوگوں کو پہچاننے لگی ہے۔ جو ضرورۃً والے ہیں وہ انتشار بر پا کئے ہوئے ہیں اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ حقیقتاً اور عقیدۃً والا طبقہ اپنی ہمت قوت اور صلاحیت کے اعتبار سے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ ضرورۃً والا طبقہ ہر دور میں رہا ہے اور رہے گا، اس کی نسلیں اس قدر منظم ہیں اور ان کے پاس اسباب اتنے ہیں کہ انتشار پھیلانے کی پوری وراثت سنبھال رکھی ہے۔ لیکن یہ خاصہ ہے جماعت اہلسنت کا کہ وہ ہزار مخالفتوں کے باوجود اپنی حقانیت کی بنیاد پر روز اول سے ہی قائم ہے تا قیام قیامت قائم رہے گی۔

ہاں یہ بھی صحیح ہے الگ الگ دور میں الگ الگ خطوں سے جماعت اہلسنت کے امین وامیر پیدا ہوتے رہے اوان کی سرپرستی میں جماعت اہلسنت کا کارواں آگے بڑھتا رہا، اب ہر علاقہ میں نئے امیر پیر اپنے آپ کو امیر الکل منوانے میں لگے ہیں تو انتشار تو ہوگا ۔عوام اہلسنت بخوبی واقف ہے کہ کس کی تعظیم وتکریم کی کیا حد ہونی چاہیے نتیجتاً جو دو چند افراد خریدے ہوئے زباں وقلم کی بنیاد پر اپنا وجود خام منوانے کے لیے کوشاں ہیں وہ پانی کا بلبلہ ہیں، ان کی عمر بھی نہیں ہے اس لیے کہ ہر تنخواہ دار ملازم کی ضرورت کے حد تک ہی ملازمت میں جگہ رہتی ہے۔ اس کی کچھ مثالیں سامنے آبھی گئیں بزرگوں نے ہمیشہ یہ بتایا ہے کہ طوفان اور آندھیوں کی عمر نہیں ہوتی ہے اور پانی کے بلبلے ٹکاؤ نہیں ہوتے ہیں۔ یہ وہی ہے وقتی انتشار ہے جو صرف اور صرف کاغذ وقلم کے سہارے کھڑا کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں موجودہ اکابر سے متعدد بار میں نے گذارشیں کیں کہ حسام الحرمین ہمارے عقیدہ کا معیار اور کسوٹی ہے، اس طرح کے ہران افراد واشخاص سے دوٹک کی گفتگو کر لینی چاہیے جس سے یہ واضح ہوجائے کہ یہ ضرورۃً سنی ہے کہ حقیقتاً سنی ہے اور اسی اعتبار سے ایک ساتھ فیصلہ کر لینا چاہیے۔ دو چند وہ مسائل جنہیں وجہ اختلاف باور کرانے کی کوششیں کی جاتی ہیں دراصل وہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے ،مسئلہ مسائل کا نہیں ذات کو منوانے کا ہے اور جہاں ذات مسئلہ بن جائے وہاں دلائل کیا کام آئیں گے، اس انتشار کا ایک ہی جواب

ہے کہ جماعتی کی سر بلندی اور اس کے تحفظ کے لئے اخلاص سے صرف کام کیا جائے

سوال (۱۳): اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا ۱۴۴۰ھ میں اسے سو سال مکمل ہو جائیں گے، جماعت اہل سنت میں عالمگیر سطح پر جشن امام احمد رضا منانے کی تیاری چل رہی ہے۔ ہر تنظیم اور مدارس اپنے اپنے اعتبار سے اس کی تیاریاں کر رہے ہیں اس سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جو اس جشن کو علمی یادگار اور تاریخ ساز بنا دے، آپ اس جشن کی کامیابی کے لئے کن خطوط پہ کام پسند کریں گے؟

جواب: بلاشبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ علامت ایمان ہیں اور عالمی سطح سے جتنی تحریکیں اور تنظیمیں جشن صد سالہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور منصوبے کر رہی ہیں یقیناً یہ قابل ستائش ہے۔ ایک بنیادی کام بطور یادگار بھی شروع کیا جائے تو بہتر ہو کہ دس شوال المکرم کو جو اعلیٰ حضرت کی تاریخ ولادت ہے یوم رضا کے طور پہ منایا جائے مساجد و مدارس، اسکول، تحریک و تنظیم میں مقابلہ جاتی پروگرام کئے جائیں اور جشن صد سالہ جہاں جہاں بھی بنایا جائے وہاں کی تنظیموں نے واقعتاً اگر کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہے تو وہ اپنے خطے کے مدارس و مساجد کی فہرست سازی کریں اور مجموعی طور سے مختلف زبانوں میں پورے ملک کا ڈاٹا اکٹھا کریں تاکہ یہ احساس ہو جائے کہ مزار ہے اعلیٰ حضرت کا بریلی شریف میں لیکن عقیدہ و مشن کا کام ملک کے اتنے مقامات پر جاری وساری ہے۔ بظاہر یہ کام بہت اہمیت کا حامل نہیں دکھ رہا ہے لیکن جب یہ سارا رکارڈ ایک جگہ جمع ہو جائے گا ایک آواز پر ملک کی ہر آبادی سے رضا رضا کی صدا بلند ہوگی اور آج کے اس منتشر ماحول کو متحد کرنے کا اس سے موثر کوئی عمل نہیں دکھ رہا ہے یوں تو ہر روز امام احمد رضا کانفرنسیں ہو رہی ہیں لیکن المیہ یہ بھی ہے، ہم صرف حدائق بخشش کے اشعار تو سنا لیتے ہیں مسلک اعلیٰ حضرت زندہ آباد کا نعرہ تو لگا لیتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کے علمی، عملی، تحریکی، تنظیمی خدمات پر کوئی موثر گفتگو نہیں کر پاتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سامع کو وہ خطیب ملے نہیں جنہوں نے خود ہی اعلیٰ حضرت کو پڑھا ہو یا سمجھا ہو۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کسی نے بھی اعلیٰ حضرت کو صحیح ڈھنگ سے سمجھ لیا وہ ان کے مفقود قلمی اساسہ کے احیا کے لیے جنون کی حد تک کام میں لگ گئے۔ ضرورت ہے کہ اس جشن کو علمی انداز میں منایا جائے، اس سلسلہ میں میں پورے تعاون کے لئے تیار ہوں۔

ملک کے سبھی صوبوں میں صوبائی سطح کا ایک اجلاس ہو جس کی سرپرستی خود حضور تاج الشریعہ فرمائیں اور بغیر کسی چوں و چرا کے واضح طور سے مسلک اعلیٰ حضرت کے حامی و ناصر علماء و مشائخ اکٹھا ہو جائیں تو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں شایان شان خراج بھی ہو اور اس علمی اجتماع سے قومی و جماعتی فائدہ بھی۔ اس سلسلے میں جہاں جہاں بھی ادارہ شرعیہ ہے وہاں کے انتظامیہ اور قاضیان اور اس خطے کے علماء اور مدارس و تنظیم کے افراد سے تبادلہ خیال کے بعد انشاءاللہ تاریخ ساز جشن کا اہتمام ادارہ بھی کرے گا۔

سوال (۱۴): دوماہی الرضا نے جماعت اہل سنت کے حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل کی، آپ الرضا کے توسط سے قارئین کو کیا پیغام دینا چاہیں گے۔

جواب: تعمیری کام کرنے والے رسائل کے فقدان اور اس دور قحط الرجال میں دوماہی الرضا نے جو اعتقادی اور علمی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ قابل مبارک باد ہے۔ جس قدر غیروں کی طرف سے خنجر زنی کی گئی اس کے دفاع میں الرضا نے یقیناً تاریخی نوعیت کا کام انجام دیا تاریخ اسے ہمیشہ یاد رکھے گی الرضا نے اسلاف کی ہمتوں کی یاد تازہ کرا دی ہے اور یہ پیغام دیا ہے کہ بقول شیخ سعدی شیرازی

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

الرضا نے یہ واضح کر دیا کہ یہ گمان ذہنوں سے نکال دو کہ میدان خالی ہے پتہ نہیں کس جھاڑی سے رضا کے شیر آ جائیں۔ آپ کی چنگھاڑ نے کتنوں کو چھپنے پہ مجبور کر دیا ہے، اور فتنے کم ہوئے ہیں، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ الرضا کے ہر قاری سے میری التجا ہوگی کہ ہر قاری کم سے کم اپنے حلقۂ اثر میں الرضا کا دس ممبر ضرور بنائیں، کہ الرضا رسالہ نہیں تحریک ہے اور اس کو عام کرنا بہت ضروری ہے۔

□□□

عقل حیران فی اسرار ترجمہ کنز الایمان

یعنی متن قرآن مقدس اور ترجمہ قرآن کنز الایمان کی عروضی تجزیہ

مولانا لقمان شاہد: پاکستان

میرے ایک فاضل دوست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن کنز الایمان پر عروضی زاویے سے کام شروع کر چکے ہیں- یہ دنیائے ادب کا انوکھا کام ہے، جسے دیکھنے والے امام اہلِ سنت کے علم وفضل پر اَش اَش کر اُٹھیں گے- اگر قران کی ایک آیت کسی بحر میں ہے تو امام نے ترجمے میں اُس کا خیال رکھتے ہوئے، ترجمے کو غیر موزوں نہیں ہونے دیا- عروضی بحروں کی پیدائش جن دائروں سے ہو رہی ہے موصوف اُن دائروں تک پہنچتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ امام اہلِ سنت نے ترجمے میں کیا کمال دکھایا ہے، یہ آیت کس بحر میں ہے، اس بحر کی پیدائش کس دائرے سے ہوئی اور امام نے ترجمے میں کیا رعایت برتی میں بھی دعا گو ہوں آپ بھی دعا کریں کہ یہ کام جلد تکمیل کی منازل طے کر لے۔

اللہ نے چاہا تو اس کام میں اس عاجز کا بھی حصہ ہوگا، اور یہ کام ادبی ونثری دنیا میں بے مثال ہوگا- بے شک قرآنِ پاک کلامِ الٰہی ہے، شاعری کی کتاب نہیں؛ اور نہ ہی یہ شعری بحروں میں نازل ہوا ہے۔

لیکن عروضی بحریں کئی آیات کے مطابق ہیں، مثلاً:

1: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بحر سریع ہے۔ (مفعولن، مفعولن، فاعلان)

2: انا اعطینک الکوثر، بحر متدارک -
(فعلن فعلن فعلن فعلن)

3: ثم اقررتم وانتم تشھدون، بحر رمل ہے۔
(فاعلاتن فاعلاتن فاعلن)

اب جن آیات کے مطابق بحریں ہیں میرے امام رضی اللہ عنہ نے اُن کا ترجمہ بھی ایک خاص زاویے میں بحروں ہی میں کیا ہے، اور ترجمہ ایسا ہے جس میں ایک لفظ کی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی- سر دست صرف ایک مثال:

وانت حل بھذا البلد

اس کا ترجمہ فرمایا:

کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو- یہ ترجمہ بحر ہزج میں ہے- کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

اب جب ہم نے عروضی زاویے سے آیت مقدسہ اور ترجمے کو باہم جوڑا تو جو نتیجہ برآمد ہوا اس کی جھلک دکھاتا ہوں...........

انھی کے الفاظ وقلم سے اس کام کی ایک جھلک آپ نے آیت مبارکہ وانت حل بھذا البلد اور اس آیت کی بابت اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کنز الایمان ''کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو'' عروضی مطابقت کا سوال کیا ہے۔۔۔۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہ٭ کہ میرے نزدیک قرآن نہ نثر ہے اور نہ نظم۔۔۔ بلکہ قرآن قرآن ہے۔ جواب اس لیے دے رہا ہوں تاکہ قرآن کا اعجاز اور مقربین خدا پر ہونے والی الہامی عطاؤں کے رموز واسرار سے تھوڑی شناسائی حاصل ہو جائے۔

جو عروض سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ دوائر عروض میں ایک دائرہ مجتلبہ بھی ہے جس سے تین بحریں وجود میں آتی ہیں۔

بحر ھزج

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

بحر رجز

مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

بحر رمل

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

اگر صدر وابتداء اور عروض وضرب میں ایک ہی رکن تکرار پذیر ہو تو اسے بحر مفرد کہتے ہیں مثال کے طور پر

مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن اور اگر ارکان مختلف ہو جائیں تو وہ بحر مرکب ہو جاتی ہے مثال کے طور پر مفاعیلن مستفعلن مفاعیلن مستفعلن۔ یا مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن فاعلاتن وغیرہ۔ ارکان میں تقدیم و تاخیر سے دیگر اور بحریں بھی وجود میں آجاتی ہیں پھر اس میں مربع ومسدس اور

مثمن سالم و مزاحف بحریں بھی نکل آتی ہیں۔

قرآن کی آیت وانت حل بھذا البلد میں بحر مرکب استعمال ہوئی ہے یعنی بحر مضارع مسدس مقبوض محبوب مفاعلن فاعلاتن فعل جو اصل میں مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن تھی،
رکن اوّل مفاعیلن میں زحاف قبض اور رکن ثالث مفاعیلن میں زحاف جب استعمال ہوا ہے اور رکن دوم فاعلاتن اپنی اصل حالت میں برقرار ہے، تقطیع ملاحظہ ہو۔

مفا۔ علن
وان۔ ت حل
فا۔علا۔ تن
لن بھا ذل
فعل
بلد

اب اعلحضرت نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے وہ بحر ھزج مثمن سالم میں ہے
تقطیع ملاحظہ ہو

مفا۔عیلن
ک اے۔محبو
مفا۔عیلن
ب تم۔اس شہ
مفا۔عیلن
رمے۔تشری
مفا۔عیلن
ف فر۔ماہو

کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔

ترجمہ بحر مفرد رمل ورجز یا دیگر مفرد بحور میں یا بحور مرکبہ میں بھی ہو سکتا تھا مگر قربان جائیں آگاہئ فکر پر کہ اعلحضرت نے بحر ہزج کا ہی رکن مفاعیلن استعمال کیا، کیونکہ دائرہ مجتلبہ اسی بحر سے شروع ہوتا ہے، اور تمام ارکان سالم اس لیے استعمال کیے تاکہ آیت میں رکن سالم فاعلاتن سے مطابقت ہو جائے، گویا آیت مبارکہ اور ترجمہ کنز الایمان کی ارکانی حالت ایک ہی دائرے سے جڑتی ہے۔اس فاضل کا نام مرزا امجد رازی ہے۔

□□□

صفحہ ۶۹ کابقایا۔۔۔۔۔

ہم سب نے اس وقت حضور تاج الشریعہ کو عالم سنیت کا جماعت کا رہنما اور قائد مان لیا ہے ہے سب کو چاہئے کہ حضور تاج الشریعہ کا جو حکم ہو اس پر عمل کرے۔ حضور تاج الشریعہ کا قلم اس وقت قلم آخر ہے جب کسی مسلے پر تاج الشریعہ کا قلم چل جائے تو کسی سنی میں یہ جرأت نہیں ہونی چاہئے کہ ان کے قلم پر تصدیق کریں۔
(اقتباس تقریر امام احمد رضا کانفرس بموقع عرس رضوی 2015)

غیاث ملت حضرت سید غیاث الدین قادری ترمزی صاحب سجادہ خانقاہ کالپی شریف:

حضور تاج الشریعہ کی مدظلہ العالی کی جامع تصوف شخصیت ظاہر وباہر ہے آپ کی علمی، فقہی، مسلکی، ملی، تصنیفی اور روحانی خدمات نے آپ کو عالم اسلام کا آفاقی شخصیت بنا دیا جسے کو انصاف پسند جھٹلا نہیں سکتا۔ آج بھی حضور تاج الشریعہ جملہ سنیوں کے آئیڈیل ہے۔
(تجلیات تاج الشریعہ ص:33)

جانشین مجاہد ملت حضرت مولانا سید غلام محمد حبیبی قبلہ اڑیسہ:

حضور تاج الشریعہ اعلیحضرت کے علمی سرمایہ کے امین ہے اور عالمگیر شہرت و مقبولیت کے حامل ہے لاکھوں اہل طریقت کے قبلہ و عقیدت، شرعی کاونسل کے ذریعہ امت مسلمہ کو درپیش دینی مسائل کا حل نکالنے والے اور سواد اعظم کے منتشر ارباب افتاء کو یکجہتی کا پیغام دینے والے قائد، قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم کے ذریعہ عصری تقاضوں کی تکمیل کے لیے عظیم دانش گاہ کے بانی ہے۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص:74)

حضرت علامہ سید امین القادری قبلہ سنی دعوت اسلامی:

حضور تاج الشریعہ بدر الطریقہ علامہ اختر رضا صاحب قبلہ ازہری اس وقت اعلیحضرت اور مفتی اعظم کے قائم مقام ہے جو ہم سنیوں کی آبرو ہے، ہم سنیوں کی پہچان ہے الحمد اللہ یہ فقیر قادری بھی حضرت کا غلام ہے۔ (اقتباس تقریر)

حضرت سید محمد اسماعیل گلزار میاں واسطی قبلہ سجادہ نشین مسولی شریف:

حضور مفتی اعظم کا انتخاب (حضور تاج الشریعہ) لاجواب ہے یہی وجہ ہے کہ آج تنہا ایک شیخ کا ڈنکا بج رہا ہے وہ میرے شیخ اعظم حضور تاج الشریعہ کا ڈنکا بج رہا اور جو مقدس درویش قطب زماں مفتی اعظم کے انتخاب تاج الشریعہ ہر انگلی اٹھاتا ہے وہ درحقیقت مفتی اعظم اور اعلیحضرت پر انگلی اٹھاتا ہے (اقتباس تقریر)

ان اقوال وتاثرات سے حضور تاج الشریعہ کی عظمت ورفعت کا پتہ چلتا ہے۔ آج جو لوگ اپنی ساری توانائی حضور تاج الشریعہ کی مخالفت پر صرف کررہے ہیں ایسے لوگوں کو اپنا محاسبہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

□□□

حضور تاج الشریعہ سادات کرام کی نظر میں

محمد کیف رضا قادری رضوی: سیتا پور یوپی

عالم اسلام کی عبقری شخصیت وارث علوم اعلیحضرت، جانشین مفتی اعظم، مرجع العلماء والفقہا، فقیہ اسلام، شیخ الاسلام والمسلمین حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری برکاتی رضوی ازہری دامت برکاتہم العالیہ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے آپ اعلیحضرت کے علوم کے سچے وارث اور مفتی اعظم ہند کے سچے جانشین ہے اور اس وقت برصغیر ہند و پاک کی سب سے بڑی علمی، روحانی اور مرکزی شخصیت حضور تاج الشریعہ کی ہے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، خلوص وللہیت پاسداریٔ شرع میں آپ اپنے اسلاف کے عکس جمیل ہے۔ آپ کی شخصیت اتنی جامع، باوقار اور عظیم ہے کہ عوام تو عوام عصر حاضر کے جید علماء کرام، مفتیان عظام، مشائخ عظام، محدثین، خطبا، مقررین، مصنفین، ادباء، محققین، مناظرین آپ سے تعلق و نسبت رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہے اور آپ کے وجود کو عالم اسلام کے لیے غنیمت سمجھتے ہے۔ حضور تاج الشریعہ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ مسلک اہل سنت (مسلک اعلیحضرت) کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف نظر آتا ہے۔ ایک طرف جہاں آپ نے تبلیغ و ارشاد، دعوت و اصلاح کے ذریعہ مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت فرمائی تو دوسری طرف افتاء و قضاء کے ذریعہ مسلمانوں کی کامل رہنمائی بھی فرمائی ہے۔ حضور تاج الشریعہ علماء کرام و سادات کرام کا ادب و احترام فرماتے یہی وجہ ہے کہ سادات کرام بھی آپ سے بے پناہ محبت فرماتے ہے آپ کو اپنا قائد و پیشوا تسلیم کرتے ہے۔ مندرجہ ذیل چند سادات کرام کے اقوال و تاثرات پیش کیے جا رہے ہے جن سے حضور تاج الشریعہ کی عظمت و بلند مرتبیت کا پتہ چلتا ہے قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

محدث مکۃ المکرمہ شیخ سید محمد بن علوی عباسی مالکی:

آپ نے حضور تاج الشریعہ کو محدث حنفی، محدث عظیم، عالم کبیر وغیرہ القاب کے ساتھ یاد کیا- اور اپنی ایک تقریر میں فرمایا ہے کہ میں حضرت تاج الشریعہ کو اس مقام پہ فائز محسوس کرتا ہو جس سے الفاظ اور حروف کی تعبیر آشنا نہیں- (تجلیات تاج الشریعہ ص:594)

شیخ جمیل بن عارف حسینی شافعی فلسطین:

حضور تاج الشریعہ کی ذات وہ ذات ہے کہ ان کے توسل سے دعائیں مانگی جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا۔ آپ نے اپنی تقریر میں حضور تاج الشریعہ کے لیے شیخ الاسلام والمسلمین، عارف باللہ، شیخ الکامل جیسے القاب کا استعمال کیا۔

(تجلیات تاج الشریعہ ص:595)

الشیخ محمد عمر بن سلیم المہدی الدباغ مدظلہ بغداد شریف:

آپ تاج الشریعہ وصدر العلماء کی تعریف توصیف بڑی عقیدت مندانہ انداز میں فرماتے تھے شیخ صاحب نے حضرت کی شان میں عربی میں منقبت بھی لکھی آپ نے حضور تاج الشریعہ سے سند الحدیث والافتاء اور اجازت وخلافت لی۔۔۔

(تجلیات تاج الشریعہ ص:595)

حضور سید پیر علاء الدین گیلانی قبلہ:

حضرت پیر صاحب قبلہ نے علامہ اختر رضا صاحب کی تعریف میں فی العدلیہ عربی میں ایک قطعہ پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "اختر رضا ستارہ کی طرح تابندگی بکھرے گا۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص:250)

حضور احسن العلماء مارہروی علیہ الرحمہ:

عرس قاسمی 1984 کی تقریب میں حضور احسن العلماء نے جانشین مفتی اعظم کا استقبال قائم مقام مفتی اعظم علامہ ازہری زندہ باد

کے نعرہ سے کیا مجمع کثیر میں جان شین مفتی اعظم کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی تمام خلافت واجازت عطا فرمائی۔

(تجلیات تاج الشریعہ ص 600)

حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری علیہ الرحمہ:

ہندو پاک میں ہماری مرکزی شخصیت حضرت علامہ مولانا مفتی اختر رضا خاں صاحب قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ ہے جو نائب مفتی اعظم ہند کے نام سے پہچانے جاتے ہے۔

حضرت علامہ سید عرفان مشہدی مدظلہ:

دور حاضر میں اعلیحضرت، حجۃ الاسلام، مفتی اعظم کے سچے جانشین افکار رضا کے کھرے وارث قائد حضور تاج الشریعہ مفتی اعظم علامہ الشاہ اختر رضا قادری بریلوی دامت برکاتہم ہے

(تجلیات تاج الشریعہ ص:46)

حضرت مفتی سید شاہد علی حسنی محدث رامپوری:

عصر حاضر میں اعلیحضرت کے علوم وفنون کے سچے وارث، حجۃ الاسلام ومفتی اعظم کے صحیح جانشین، روحانیت کے تاجدار، رضویت کے امینی تاج الشریعہ، فقہ اسلام قاضی القضاۃ فی الہند علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری ہے جو اہلسنت وجماعت کی عالمی سطح پر علمی ودینی، اعتقادی وفکری قیادت ورہبری فرمارہے ہے جن کے آفتاب شہرت واقبال کی کرنیں سارے عالم کو روشن ومنور کررہی ہے۔

(حیات تاج الشریعہ، جدید اضافہ ص:12)

شرف ملت حضور سید شاہ اشرف میاں مارہروی قبلہ:

ایک بار حضور احسن العلما سے کسی نے دریافت کیا آپ کی خانقاہ کے بزرگوں کی کرامتیں کون سی ہے حضرت نے فرمایا ایک احمد رضا اور دوسری مصطفےٰ رضا۔

اس پر حضور شرف ملت فرماتے ہے ہیں میں دعا گو رہتا ہوں کہ کاش ہماری خانقاہ برکات کی اگلی پیڑھیاں اپنے زمانے کے پودے والے سے یہ کہ سکیں کہ سنو ماضی قریب میں ہیماری خانقاہ کی تین کرامتیں ھے احمد رضا، مصطفےٰ رضا اور اختر رضا (تجلیات تاج الشریعہ ص ۲۵۷)

حضرت سید شاہ فضل المتین چشتی قبلہ گدی نشین اجمیر معلیٰ:

صاحب شریعت مفتی اختر رضا ازہری صاحب کی ذات بابرکات علمی دینی روحانی سماجی خدمات کے حساب سے ایک مثال ہے یہ اس وقت کی ایک اہم قابل ذکر اور قابل قدر شخصیت ہیں۔ اور ایسے حلقے کے سربراہ ہے جس کے ذکر کے بغیر ہمارے عہد کی دینی، مسلکی، فقہی تاریخ مکمل ہونہیں سکتی۔۔۔۔۔ یہ بزات خود شخصی اعتبار سے بلند مرتبیت ہے۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص:35)

حضرت مولانا سید اویس مصطفیٰ واسطی بلگرام شریف:

فقیر قادری کو جانشین مفتی اعظم ہند علامہ ازہری میاں صاحب سے بارہا ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے یہ ملاقات وروابطے دیرانہ تعلقات کے باعث ہے جو خانقاہ بلگرام وبریلی میں ہمیشہ سے رہے ہے موصوف کو خانقاہ رضویہ میں وہ مقام حاصل ہے کہ تاج الشریعہ اور قاضی القضاۃ جیسے القاب سے یاد کیے جاتے ہے۔ (تجلیات تاج الشریعہ ص:601)

حضرت علامہ سید فخر الدین اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشین کچھوچھہ مقدسہ:

اس (خانوادہ رضویہ) عظیم روحانی خانوادے کے چشم وچراغ طریقت وشریعت کے علم بردار فقیر عصر مرطبع التقاوی شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ مولانا تاج الشریعہ الحاج اختر رضا صاحب قبلہ ملقب بہ ازہری میاں مدظلہ کی ذات دستودہ صفات ہے جو علم وعمل زہد وتقوی شرم وحیا صبر وقناعت صداقت واستقامت وغیرہ عظیم صفات حسنہ سے متصب ہے۔ یہ عصر حاضر کی وہ عظیم ہستی ہے جس سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہورہے ہے۔

(تجلیات تاج الشریعہ ص:249)

حضرت علامہ سید شاہ مظفر حسین شاہ صاحب قبلہ:

الحمد اللہ میرے شیخ (تاج الشریعہ) نے اس وقت فتاوی رضویہ کی تین جلدیں مکمل عربی میں کردی ہے اور عربی بھی وہ جس پر مصری بھی نثار ہوجائے۔ تاج الشریعہ کا آج کوئی نظیر نہیں نہ تقوی میں کوئی نظیر نہ علم میں کوئی نظیر (اقتباس تقریر)

نبیرۂ میر عبد الواحد بلگرامی حضرت مولانا سید سہیل میاں قبلہ ولی عہد خانقاہ واحدیہ بلگرام شریف:

بقیہ صفحہ 57 پر

میزان مطالعہ

تبصرہ کے لئے تین کتابوں کا آنا ضروری ہے

نجد سے سہارن پور تک (ایک مطالعہ)

ندیم گورکھپوری آسنسول

ان کا طرز تغافل تو دیکھو یہ انوکھا تجاہل تو دیکھو
پوچھتے ہیں ہمیں سے وہ آکر کہئے اس وقت کامل کہاں ہیں

''نجد سے سہارن پور تک'' مولانا محمد میاں کامل سہسرامی کی ایک گرانقدر تصنیف ہے۔ جو ماہنامہ پاسبان میں قسط وار شائع ہوئے چند مضامین کا مجموعہ ہے۔

''نجد سے سہارن پور تک'' نہ تو کوئی ناولٹ ہے اور نہ افسانوں کا مجموعہ، بلکہ طنز و مزاح، چٹکیوں اور اٹکھیلیوں سے بھرپور ایک کتاب ہے جو فیشن ایبل مذہب یعنی ایوان دیوبندیت پر ظرافت کے ہتھیار سے ایک مکمل حملہ ہے ساتھ ہی اس کے غلط عقائد کی نقاب کشائی بھی۔

میر پاسبان اس کا سبب تالیف یوں بیان کرتے ہیں ''میں نے برسوں پہلے جو چراغ روشن کیا تھا، حوادث زمانہ سے اس کی لو تو مدھم ہوگئی مگر جو روشنی پھیل چکی ہے اس کی تابانی نہیں گئی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب کہ پاسبان سے کلیۃ میرا ذہن وابستہ تھا۔ ''نجد سے سہارن پور تک'' کے لیے میری نظر انتخاب فاضل جلیل مولانا محمد میاں کامل پر گئی اور مراسلت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پہلے وہ ہچکچائے لیکن کہنے سننے سے تیار ہوگئے۔ وہ تیار ہی نہیں ہوئے بلکہ ایسے مرد میداں ثابت ہوئے، گویا ایوان دیوبندیت کے لیے مدتوں سے پٹرول، بارود لیے بیٹھے ہیں۔ صرف اس کا انتظار تھا کہ کوئی کہے کہ آتش گیر مصالحوں کو لے کر آگے بڑھیے۔ چنانچہ یہی ہوا پہلے ہی دھماکے میں پورا ملک گونج اُٹھا۔ ہر طرف سے تحسین و مرحبا کی آواز بلند ہوئی۔''

آگے چل کر ''نجد سے سہارن پور تک'' کے پیمانے میں تولتے ہوئے مولانا کامل میاں کا وزن اس طرح متعین فرماتے ہیں ''نجد سے سہارن پور۔۔۔۔ سنجیدہ مزاح، علمی و معلوماتی ظرافت کا حقیقت پسندانہ نچوڑ ہے۔ مولانا کامل اپنے اس طرز نگارش میں بالکل یگانہ ومنفرد ہیں۔ بات میں بات پیدا کرنا اور ہنستے بولتے ایسی دوررس باتیں کہہ جانا، جہاں خواص ہی کا ذہن جاسکے یہ ان کا خاص فن ہے۔ یہ ایک خداداد صلاحیت ہے، جس نے انہیں دوسروں سے ممتاز کردیا ہے۔''

اردو کے طنز و مزاح نگاروں میں مرحوم جلیسؔ، شوکت تھانویؔ، فکر تونسوی، خواجہ عبدالغفور وغیرہ قابل ذکر ہستیاں ہیں۔ اگر ان مزاح نگاروں کی تخلیقات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں مرحوم جلیسؔ کی طنز نگاری اور اسلوب بیان سب سے الگ پایا جائے گا۔ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ جلیسؔ کی طنز نگاری حقیقت سے زیادہ قریب ہے، یعنی یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ افسانوی دنیا میں جو مقام پریم چند اور منٹو کو حاصل ہے طنز و مزاح نگاری میں وہی مقام جلیسؔ کا ہے۔

شوکت تھانوی، ابراہیم جلیسؔ، خوجہ عبدالغفور، فکر تونسوی اور مولانا کامل سہسرامی کی طنز نگاری کے سرسر جائزے کی بجائے اگر تنقیدی مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلے گا کہ مولانا کامل نے طنز و مزاح نگاری کو ایک نئی شاہراہ پر لاکھڑا کیا ہے جہاں ان کا طرز نگارش طنز و مزاح کی آخری حد کو چھورہا ہوتا ہے۔

کامل سہسرامی کا انداز بیان شوکت تھانوی سے کافی ملتا جلتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شوکت تھانوی کی طنز اور کامل سہسرامی کا مزاح دونوں سگے بھائی بہن ہیں۔ مگر شوکت سے کہیں زیادہ جلیسؔ کا فن حقیقت سے قریب ہے اور مولانا کامل سہسرامی کی صداقت پسندی تو جلیسؔ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئی ہے۔

اردو کی ترویج و اشاعت اور زبان کو سنوارنے میں مولوی اور صوفیوں نے کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، مگر بالائے ستم کہ ہمارے ناقدین، محققین

اور ماہرین لسانیات انہیں صرف مولوی سمجھ نظرانداز کرجاتے ہیں۔

اگر تاریخ ادب اردو کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مولوی اور صوفیوں نے اردو زبان میں اس وقت طبع آزمائی کی جب اردو زبان در حقیقت اپنا کوئی مستقل نام بھی نہ رکھتی تھی۔ اس سلسلے میں ہم خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عزیز مرید اور صوفی شاعر حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے پہلے پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر طاہر رقم طراز ہیں:

''جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس نئی اور عام فہم زبان نے ترقی کرنی شروع کی، یہاں تک کہ تیرہویں صدی عیسوی یعنی پٹھان بادشاہوں کے عہد میں امیر خسرو دہلوی نے سب سے پہلے ادبی اغراض سے اس مخلوط زبان کے الفاظ استعمال کرنا شروع کیا ورنہ اس کے قبل لکھنے پڑھنے میں مطلقاً اس زبان کو دخل نہ تھا۔ امیر خسرو نے سب سے پہلے اس زبان میں جو حقیقتاً اپنا کوئی مستقل نام بھی نہ رکھتی تھی، شعر کہا۔ اور پہیلیاں، مکرانیاں اور دوسخنیں وغیرہ جیسی تمام چیزیں نظم کرنا شروع کیں۔''

اسی طرح الطاف حسین حالی، حکیم مومن خان مومن، اکبر الہ آبادی اور امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی وغیرہ کی ادبی خدمات سے کون ہے جو متعارف نہیں۔

اردو نثر نگاری کے میدان میں بھی مولوی اور ملاؤں نے پہل کی۔ سید محمد حسینی، خواجہ بندہ نواز گیسودراز اردو کے پہلے نثار ہیں یہ اور بات ہے کہ انہیں اردو کا پہلا نثار تسلیم نہ کیا گیا۔ ان کی زبان اور اسلوب وبیان دیکھیے۔''

''کہے، تحقیق خدا کے سیانے ستر ہزار پردے وجیالے، ہوراندبارلے کے، اگر اس میں تے یک پردہ جاوے تو اس کی آنچ تے میں جلوں۔ ہوایک وقت ایسا ہوتا ہے، سمجھو اور دیکھو بے پردہ اندھارے کے، اوجیالے کے عارفان پر ہے۔ وے اصلان پر پردے نورانی دے واصلان کا صفا پردہ ہوتا ہے، سو محمد کا نور ہے عزیز۔۔۔(معراج نامہ بدہ نواز)

ان کی وفات کے چوہتر سال بعد ۱۴۹۶ء بعہد بہمنی اردو کا ایک اور نثار شاہ میران جی کے نام سے دکن میں جنم لیتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات کے بارے میں ڈاکٹر زور کا قول ملاحظہ ہو۔

''شاہ میران جی حضرت خواجہ بندہ نواز ہی کے سلسلۂ صوفیاء میں سے ہیں، انہوں نے اپنے بزرگوں کی طرح اردو ہی میں تعلیم وتلقین کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی کام کیا، انہوں نے بیجاپور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔ شاہ میران جی کی کئی نظمیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے اس وقت تک دستیاب ہو چکے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام بہت مقبول تھا۔ اور دور دور تک اس کی نقلیں پہنچ گئی تھیں۔''

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں۔

''میران جی نے نثر میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ''شرح مرغوب القلوب'' ان کا لکھا ہوا ایک رسالہ نثر میں ہے، جس میں دس باب ہیں۔ ہر باب آیت قرآنی یا حدیث سے شروع کرتے ہیں اور پھر اس کا ترجمہ اور مختصر شرح کرتے ہیں۔''

نمونے کے طور پر یہ اقتباس پیش کرتے ہیں۔

''پیغمبر کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی پوچھتا ہے انو گیاں تو دکرانو تھے۔ تون سن ہور چپ نکواچہ اس چارباتاں کا پند ہے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھ کہ طریقت شریعت مینج ہے۔''

''پیغمبر کہے کہ جو کچھ کام کرنے کا کوئی خدا کا نانوں نالے کر تو اوکام پائمال ہوگا۔ سرانا نواز ناخدا کوں بہت کہ اوپالن بارہے عالم کا۔'' (دکنی ادب کی تاریخ، مولفہ ڈاکٹر زور: ص، ۲۲)

لیکن ان کی بھی نثری تخلیقات شرف قبولیت کا تاج پہن نہ سکیں۔ ایک زمانہ کے بعد دکن میں ایک اور شاعر و نثار ملا وجہی کے نام سے ابھرا، اس کی شعری ونثری دونوں تخلیقات مقبول عام ہیں۔ غالباً اردو نثر کی پہلی کتاب وجہی کی ''سب رس'' کو ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شمالی ہند میں پہلی اردو نثر ''وہ مجلس'' مولفہ فضلی بعہد محمد شاہ منظر عام پر آئی، اس کے بعد شمالی ہند کی ایک اور نثری کتاب مولفہ تحسین لکھنوی بعہد نواب شجاع الدولہ منظر عام پر آئی۔ غالباً اردو نثر کی یہی وہ کتابیں شمالی ہند کی اولین یادگار ہیں، جنہیں قبولیت عامہ حاصل ہے۔ اس کے بعد مشرقی ہند میں فورٹ ولیم کی تصنیفات کا دور

شروع ہوتا ہے، فورٹ ولیم کی تصنیفات میں میرامن کی ''باغ وبہار'' کو جوشہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہوسکی۔''

''میرامن کی'''' باغ وبہار'' اردو کی زندہ نثر سمجھی جاتی ہے، بعد می محمد حسین آزاد نے ''فسانۂ عجائب'' لکھ کر اردو نثر کو ایک منفرد اسلوب وبیان دیا جو آج بھی رائج ہے۔''

اسی طرح مولانا کامل سہسرامی نے اردو میں طنز و مزاح نگاری کی روایت کو چھلانگ کر طنز و مزاح نگاری کے اصل مفہوم کو سمجھا۔ ان کی تصنیف ''نجد سے سہارن پور تک'' اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ وہ اپنی کتاب کا انتساب مدیر پاسبان کے نام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''مدیر پاسبان کی اس تحریک کے نام، جس نے میرے قلم کو نجد کے ریگستان میں بگٹٹ دوڑنے پر مجبور کیا۔'' اس انتساب کو دیکھ کر ہی قارئین ہنسنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اوران کی مزاح نگاری کے قائل ہوجاتے ہیں۔

زبان وبیان کے اعتبار سے بھی یہ کتاب اپنا جواب نہیں رکھتی اگر چہ اس می اردو کے علاوہ فارسی اور عربی کے الفاظ کی بھی آمیزش ہے مگر فاضل مصنف کا انداز بیان کچھ ایسا آراستہ پیراستہ ہے کہ عام وخاص کی سمجھ میں بآسانی آجاتی ہے۔ مولانا کامل سہسرامی داستان کی ابتدا یوں کرتے ہیں۔

''جرمن کا فلسفی جھوٹ کہیں چاہے، جو کچھ بھی کہا ہو لیکن صحرائے نجد کے ایک افلاطون قسم کے منطقی کا مقولہ ضرور سن لیجئے، اگر سماعت نازک ہوگئی ہو تو میرے راہ راست پر آنے کی دعا کیجئے، لیکن سن ضرور لیجئے۔''

''ہمیشہ اتنے بھیانک قسم کا سچ بولو کہ پوری انسانی آبادی چونک اُٹھے اور دنیا کی ساری سچائی، ٹھوس واقعات، تاریخی صداقتیں خودکشی کرلیں۔''

یہ ایسی تمہید ہے کہ پڑھنے والے کو فوراً اپنی جانب متوجہ کرلیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مولانا کامل کے مزاج میں ہی فصاحت وبلاغت اور سلاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ زبان وبیان پر ان کی اچھی طرح گرفت تھی، اوران کے پاس الفاظ کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا کہ عقل سلیم حیران رہ جاتی ہے۔

حضرت کامل سہسرامی کو صرف ایک اردو زبان پر ہی ملکہ حاصل نہ تھا بلکہ وہ فارسی اور عربی الفاظ ومحاورات کا بڑی خوبی سے استعمال فرماتے تھے۔ یہ اقتباس میرے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

''میں پہلے ہی سمجھ رہا تھا کہ ایڈیٹر پاسبان صلح کلی قسم کے سنی ہیں۔ مومنین، کاملین، صادقین کی صف میں ان کا نام ہرگز نہیں آتا۔ لیکن اکیلا چنا کیا بھاڑ پھوڑتا قہر درویش برجان درویش۔ صبر کیے ان مبارک عین تبارک دن کا منتظر تھا۔ جب ان کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوٹے اوران کے غرور کا سر ٹوٹے۔''

اِنَّ اللہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن

کل صبر کا پھل مل گیا صوفی چقندر شاہ نے بات بات میں آخر کہہ ہی دیا کہ ''پاسبان والے مشتاق میاں صلح کلی ندوی ہے۔''

مولانا کامل سہسرامی کی نثر نگاری انتہائی سادہ اور سلیس ہے، محاورات، تشبیہات اور استعارات کا جابجا استعمال موسیقیت پیدا کردیتا ہے اور قاری دنیا وما فیہا سے بے خبر ہوجاتا ہے۔ داستان گوئی کے معاملہ میں فاضل مصنف کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ زبان وبیان کی ساری خوبیاں مندرجہ ذیل اقتباسات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

''کانگریس ملک کی کتنی ہی مقبول جماعت ہو۔ کیسی ہی حکمرانی کی صلاحیت رکھتی ہو، لیکن یقین فرمایئے کہ جب کوئی لانبی داڑھی والا کھدر پوش ہوجاتا ہے تو پھر وہ نہ مولوی رہتا ہے نہ کانگریسی بلکہ دونوں کے درمیان کی چیز چھوٹو مداری (عرف چالباز شکاری) بن جاتا ہے جو اتنی مہارت وہوشیاری سے جال ڈالتا ہے کہ غریب شکار کو پھڑ پھڑانے تک کا موقعہ نصیب نہیں ہوتا۔ بھانومتی کے پنارے کا ایسا ایسا کرتب دکھائے گا کہ بس دیکھا کیجئے۔ ہاتھ کی صفائی ایسی کہ کتنے مداریوں نے تو شرما کر اپنا کام دھندا چھوڑ دیا۔''

''صوفی صاحب حضرت شیخ کے خاص الخاص عقیدت مدوں میں ہیں۔ جب کبھی شیخ کا ذکر آیا ان کی آنکھوں سے آنسو کے موٹے موٹے قطرے نکل پڑے۔ پیر صاحب کی تقلید میں ہمیشہ کھدر پہنتے ہیں پائجامہ اتنا محتاط کہ بس گھٹنوں سے ذرا سا نیچے رہتا ہے، دور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ نئے فیشن کی ہاف پینٹ ہے، کرتے کی لمبائی ہمیشہ جبے کے دھوکے میں ڈالتی ہے، سیاہ چمکتا ہوا چہرہ اس پر ڈیڑھ بالشت کی دودھ جیسی سفید داڑھی، گویا صبح وشام کا سنگم لوگوں کو ہمیشہ قرآن وحدیث پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔''

''ہم نہیں سمجھ سکے کہ یہ رسول دشمنی ہے یا اپنے بزرگوں کی غلط

عقیدت مندیوں کا غلط نتیجہ، آخر جب بات آپ کے گھر کی ہوتی ہے تو کیوں منہ میں دہی جم جاتا ہے اور رسالت کا معاملہ ہوتا ہے تو زبان وقلم دونوں اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل پڑتے ہیں۔''

فاضل مصنف ایک اچھے شریف اور بلند درجہ انشا پرداز ہونے کے ساتھ ایک جگہ نقاد کی حیثیت سے بھی سامنے آتے ہیں۔

''کتاب لے کر اوپر سے دیکھا، نیچے سے دیکھا لیکن خاک سمجھ میں نہیں آیا اول تو کتاب کے سرورق پر مختلف قسم کے موٹے موٹے عنوانات اور پھر عربی کے جملے، ترجمہ بھی ایسا کہ مجھ جیسا پرائمری پاس اسان زندگی بھر نہ سمجھ سکے۔ سب سے موٹے عنوان کے ترجمے کا پہلا لفظ تھا ''قاعدہ بغدادی'' سے لے کر پرائمری تک کی ایک ایک کتاب کو دیکھ ڈالا لیکن کہیں نہ ملا کہ ''علماؤں'' واحد ہے کہ جمع۔''

اسی طرح ''قدر بے باک عالم'' پر موصوف کا تنقیدی نظریہ ملاحظہ فرمایئے۔

''پوری کتاب مدیر پاسبان کی منقبت کا سدا بہار گلدستہ ہے۔ جس جملے پر نظر پڑتی ہے، ایک نئی خوشبو محسوس ہوتی ہے کہیں گلاب، کہیں موتیا، کہیں بیلا ہے کہیں چمیلی، کہیں چمپا ہے کہیں موگرا۔ میری قوت شامہ تو بالکل الٹی ہوگئی ہے۔ اس لیے ہر ہر جملے پر ناک پر رومال رکھنا پڑا، کہیں کہیں متلی بھی آئی۔ اگر آپ کی قوت شامہ صحیح ہو تو چند جملوں کی خوشبوئے جانفزا سے مشام روح کو معبر کیجئے۔''

آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ

''زبان وادب کے اعتبار سے تو ایسی ہے کہ بس نثر میں شاعری ہے، چچا غالب جبھی قبر کے اندر طبلہ بجاتے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو۔ ''جو جواب بھیجا عواموں کی دانشت میں چھاپ کر شائع کرتا رہتا ہے۔'''' ''بے امتیازی کی بدش میں غرق رہا کرتا ہے۔'''' مئے جام خمار جوش زرکشی'''' لفظ خفیہ متعدد جگہ ''خوفیہ'' تحریر فرمایا گیا ہے۔''

لعنة الله على الكاذبين الصلحة الكلية

یعنی آخیر کا لفظ بھی آیت کا جز ہے

''مبلغ علم ہے اس ذات گرامی کے خلیفہ کا جس کا نام نامی ہمیشہ دو چار سطروں میں لکھا جاتا ہے۔ اور اس علم پر ہمت یہ کہ سارے علمائے اہل ست کو للکارا جا رہا ہے۔ چنانچہ اخیر میں درج ہے۔ ''اگر چھیڑ چھاڑ کی ٹھہری تو اس سے بھی زیادہ وضاحت ممکن ہے۔''

''یعنی یہ کوئی سنجیدہ اعتراض نہیں بلکہ چھیڑ چھاڑ ہے۔ اب اس چھیڑ خوانی پر اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ جب اللہ گدھا بنائے تو دو سینگ بھی عنایت کردے۔''

اس کتاب کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فاضل مصنف نے جو اشعار ترتیب دیئے ہیں ان کا خالق کوئی اور ہے مگر سہرا کسی اور کے سر رکھتے ہیں۔ ایک جگہ آپ نے اکبرالہ آبادی کا ایک شعر نقل کیا ہے مگر شیخ سعدی کے نام منسوب کرتے ہیں۔

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتے بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتے بھی نہیں

اسی طرح موصوف نے ایک جگہ ۱۵/ اشعار پر مشتمل ایک منظور ''ڈرکس کا ہے'' پیش کیا ہے اور اس کی نسبت مرزا غالب سے جوڑی گئی ہے۔ جو غالب کی نظم سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے کی تخلیق ہے ہاں اس کا امکان بھی ہے کہ اس کے خالق خود فاضل مصنف ہوں۔

مختصر یہ کہ ''نجد سے سہارن پور تک'' مولانا کامل سہسرامی کی ایک ایسی لاجواب تصنیف ہے جو فصاحت وبلاغت اور سلاست وروانی کی فضا میں پرورش پاتی ہے نیز تشبیہات واستعارات، طنز ومزاح اور محاورات کے جابجا درست استعمال کی بنا پر چمنستان اردو کا سدا بہار گلدستہ کہلانے کی مستحق ہے۔

دراصل مولانا کامل اپنی انہی خصوصیات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں منفرد ویگانہ نظر آتے ہیں۔ اور اپنی اس تحریر کی روشنی میں خود کو ایک نقاد، انشاء پرداز اور اچھا طنز ومزاح نگار تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چنانچہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت کامل سہسرامی کی یہ تصنیف ایک لاجواب شاہکار ہے اور ان کا یہ کارنامہ تاریخ ادب اردو میں سورج کی وہ پہلی کرنوں سے لکھا جائے گا۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی ورنہ اردو ادب کو آپ کی ذات سے مزید فائدہ پہنچتا، خدائے قدیر آپ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

□□□

خلفائے تاج الشریعہ توجہ دیں!

آج جس طرح ملک وبیرون ملک کے گوشے گوشے میں حضور تاج الشریعہ کے مریدین ومعتقدین پھیلے ہوئے ہیں، اسی طرح آپ کے خلفا کی بھی ایک بڑی تعداد اپنے اپنے میدان میں تبلیغ دین وملت میں مصروف عمل ہے، لیکن ان میں سے اکثر غیر مربوط طور پر مصروف عمل ہیں، اگر وہ مرکز سے مربوط وماذون ہوکر اپنے کاموں کو انجام دیں تو ان کے کام مزید مستحکم اور معتمد ہو سکتے ہیں، اس لیے بحکم شہزادۂ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری بریلوی مدظلہ العالی خلفائے تاج الشریعہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ فوری طور پر اپنے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کریں تاکہ وقت ضرورت ان معلومات کی روشنی میں ان سے کام لیا جا سکے۔

مطلوبہ معلومات

نام------------------------------ولدیت------------------------------

تاریخ پیدائش------------------------مستقل پتہ------------------------

----

تعلیمی لیاقت------------------------موبائل نمبر------------------------

اگر امام ہیں تو

مسجد کا نام وپتہ--

متولی کا نام--

اگر مدرس ہیں تو

مدرسہ کا نام وپتہ--

ناظم کا نام--

کس جماعت تک پڑھا لیتے ہیں--

اگر مصنف ہیں تو

اب تک کتنی کتابیں لکھی ہیں؟------------کون کون سی------------------------

کیا یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں؟------------اگر یہ کتابیں موجود ہوں تو ان کی ایک ایک کاپی بھی ارسال فرمائیں۔

اگر مقرر ہیں تو آپ کی تقریر کا خاص موضوع کیا ہوتا ہے؟------------------------

اگر آپ مضمون نگار ہیں تو اب تک کون کون سا مضمون لکھا؟ کس کس رسالے میں اور کب کب چھپا؟------------------------

----

اردو کے علاوہ آپ کو اور کون کون سی زبانیں آتی ہیں؟------------------------

کس سنہ میں آپ کو خلافت ملی------------اس وقت وہاں کون کون حضرات موجود تھے------------

خلافت نامہ مل چکا ہے؟ ہاں ☐ نہیں ☐ اگر ہاں تو اس کی فوٹو کاپی بھی ارسال فرمائیں۔

میں------------ابن------------اقرار کرتا ہوں کہ میرے ذریعہ فراہم کردہ مذکورہ معلومات صدفی صد مبنی برحقیقت ہیں۔

دستخط مع تاریخ

اپنی معلومات بنام مفتی عبدالرحیم نشتر فاروقی، ایڈیٹر ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف ارسال فرمائیں۔